توقیر فاطمہ
ریسرچ اسکالر، شعبۂ تاریخ، جامعہ کراچی۔
پروفیسر ڈاکٹر تنظیم الفردوس
پروفیسر شعبۂ اُردو، جامعہ کراچی۔

مغلیہ سلطنت: دورِ زوال کے تاریخی اور غیر تاریخی اردو مطبوعہ مآخذ

ABSTRACTC

Historical and non-historical sources in Urdu on the decline of Mughal Empire.
By Toqeer Fatima, Reserch Scholar, Department of History, University of Karachi and Prof. Dr. Tanzim Ul Firdous, Prof. and Chairperson, Department of Urdu, University of Karachi.

History is recorded in different ways and aside from historical sources some non-historical works, too, such as literary writings, record the history, albeit indirectly and with a different perspective. Similarly, the sources on the history of the Indo-Pak subcontinent are found as both historical and literary works. In Urdu, there are a number of such works and these historical and literary writings have captured the essence of the decline and fall of India. These tomes in Urdu have also explained the reasons behind the social and political chaos of India in certain periods. The article traces and analyses such works and describes the reasons as narrated by the authors of these works.

زوال کوئی مادّی شے نہیں بلکہ وسیع تناظر میں زوال ایک اصطلاح ہے جس میں سیاسی حکمت عملی، مذہبی نظریات، معاشرتی سرگرمیاں اور معاشرتی رویے واحساسات شامل ہوتے ہیں۔ تاریخ چاہے سلاطین کی ہو یا اقوام کی، ہر عروج کو ایک دن زوال بھی ہوتا ہے۔ عروج وزوال کی یہ داستان صدیوں کے اُلٹ پھیر، نشیب وفراز اور تبدیل ہوتی ہوئی علمی وفکری جہتوں اور رجحانات کا عکس ہوتی ہے۔ ایسی ہی معاشی ومعاشرتی عروج وزوال کی داستان جو تاریخِ جنوبی ایشیا میں ''سلطنتِ مغلیہ'' کے نام سے مشہور ہے۔ زوال کی یہ داستان تاریخی اور غیر تاریخی ادبی تحریریوں کا حصہ بنتی رہی ہے جہاں علمِ تاریخ سیاسی، معاشی، فکری مذہبی وسماجی تبدیلیوں کا احاطہ کرتا ہے تو ادب احساسات، فکری ونظری اختلافات اور علمی وعملی زاویوں پر باریک بینی سے روشنی ڈالتا ہے۔ کیوں کہ زوال کا شکار صرف ایک خاندان

یا امرا کا طبقہ نہیں تھا بلکہ پورا ہندوستانی سماج اس تبدیلی کی لپیٹ میں تھا۔ اگر کہیں معاشی بدحالی تھی تو کہیں اقتدار و کرسی کی ہوس اور کہیں پر اخلاقی قدریں برداشت و عمل کی قوتیں کھو رہی تھیں اور یہ بدلتے ہوئے خیالات ظاہراً اور غائبانہ دونوں سطح پر عوام الناس کے علمی مزاج و مذاق، معاشی و معاشرتی اقدار و کردار اور قول و عمل کو متاثر کر رہے تھے۔ اور یہ اثرات ان کی تحریروں میں واضح ہوتے چلے جا رہے تھے۔ یہ تحریریں تاریخی اور غیر تاریخی متون کی صورت میں گاہے بگاہے منظرِ عام پر آتی رہیں۔ ان تمام تاریخی و غیر تاریخی متون کی مدد سے مغلیہ سلطنت کے زوال کے سماجی، معاشی، سیاسی عوامل کو تلاش کیا گیا خصوصاً ایسے عوامل جو ہر دو طرفہ حالات کو متاثر کرنے کا باعث بنے۔ ان کی وضاحت بھی ان تاریخی اور غیر تاریخی متون سے ہوتی ہے۔

زوال کے بعد انگریزی حکومت کے دوران معاشی و معاشرتی تبارز و تبدل کی وجہ سے جدید فکری رجحانات اور زاویے بھی سامنے آئے جو ثابت کرتے ہیں کہ سماج کبھی بھی پوری طرح مکمل یا ختم نہیں ہوتے بلکہ ہر پرانی صدی اور نظام کے خاتمے کے بعد ایک نئی صدی اور نیا نظامِ جدید فکر و عمل کے تحت وجود میں آ جاتا ہے۔ یہ جدید نظام نئی سوچ، فکر اور عمل کے پیشِ نظر سماج و معیشت کی بنیادوں کو دوبارہ مستحکم اور فعال کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اسی فکر کا تاریخ اجتماعی طور پر احاطہ کرتی ہے اور ادب انفرادی طور پر ان ہی فکری رجحانات، زاویوں اور پہلوؤں کی عکاسی کرتا ہے۔

ذیل میں زوال مغلیہ کے منتخب تاریخی اور غیر تاریخی مآخذ کو منظر عام پر لایا گیا ہے جس بناء پر معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت کے ادیب، دانشور مؤرّخ اور عام قلم کار کی فکری نہج کیا تھی۔ زوالِ مغلیہ کے حوالے سے بہت اہم ثابت ہونے والے منتخب ماخذات کا مختصراً تعارف و تبصرہ ذیل میں پیش کیا گیا ہے۔

۱۔ محمد سراج الدین طالب، ''میر عالم''

میر عالم کے والد شجاع الدولہ نواب بنگال کے ملازم تھے انھوں نے شجاع الدولہ کے بعد مرشد قلی خان کے ساتھ دکن کا سفر کیا اور دکن میں نواب آصف جاہ کے خاندان و دربار سے وابستہ ہوئے خود میر عالم کو نواب سکندر جاہ (یہ خطاب مغفرت منزل) نے خلعت وزارت کا منصب عطا کیا۔ میر عالم کا اصل نام میر ابوالقاسم تھا۔ اس اعتبار سے یہ سلطنت اودھ کے وزیر اعظم تھے محمد سراج الدین طالب نے ''میر عالم'' کے نام سے سوانحی تذکرہ تحریر کیا۔ تذکرہ میں میر عالم کے عہد کی ان عصری شخصیات پر بھی روشنی ڈالی ہے جو ان کے ساتھ انتظام سلطنت میں شامل تھیں۔ یہ تحریر زوال سے وابستہ ایک اہم عصری مآخذ ہے۔

۲۔ محمد علی خاں، ''تفضّل حسین خان''

محمد علی خاں نے نواب تفضّل حسین خان کی سوانح تحریر کی۔ مصنف کا خاندانی تعلق تفضّل حسین خاں سے تھا اور تفضّل حسین خان کا تعلق نواب سعادت علی خان کے خاندان سے تھا جو آصف الدولہ کے زمانے میں بریلی سے لکھنؤ

آئے۔مصنف نے تفضّل حسین خان کے لیے ''خان علامہ'' کا خطاب استعمال کیا ہے(۱)۔یہ تصنیف زوال کے سماجی ومعاشی حالت کے لیے اہم عصری مآخذ ہے کیونکہ اس میں ریاست سے متعلق امور کو جس طرح سے زیر تبصرہ لایا گیا ہے وہ اس کی اہمیت اور افادیت کا ثبوت ہے۔

۳۔ڈبلیو۔ایس،سٹین کار،مترجم،محمد عبدالستار،''ہند کے حکمران'' (مارکوئیس کارنوالس)

یہ تصنیف تاریخی سوانح ہے جو ایسے شخص پر تحریر ہوئی جس نے ہندوستان میں نظام مالگزاری میں (☆۱) بندوبست دوامی کو متعارف کروایا(۲) اس کی اہمیت کو ہی دیکھتے ہوئے محمد عبدالستار صاحب نے اس کو ترجمہ کیا۔ انتزال معیشت کے لیے اہم دستاویز ہے۔

۴۔مرزا علی اظہر برلاس،''واجد علی شاہ''

یہ تحقیقی مقالہ برلاس صاحب کا ایک پمفلٹ کی صورت میں چھپا ہوا مضمون ہے جو سہ ماہی اردو،اکتوبر ۱۹۶۸ کراچی میں شائع ہوا خود مصنف کا تعلق علم تاریخ سے ہے اس کے علاوہ پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی میں معتمد رہے یہ مضمون ریاست اودھ کے متعلق انگریزوں کی غاصبانہ پالیسی کے بہت سے حقائق کو منظر عام پر لانے کا اہم ذریعہ ہے۔

۵۔عبدالاحد رابط،مترجم محمود احمد عباسی،''وقایع دلپذیر بادشاہ بیگم اودھ''

مذکورہ بالا تصنیف عبدالاحد رابط (۱۸۵۱ء) کی ہے جسکی اہمیت کو دیکھتے ہوئے تقی احمد صاحب نے انگریزی اور محمود احمد عباسی نے اردو میں ترجمہ کیا۔معاشرتی ومعاشی حالات پر اہم تالیف ہے اس میں اس وقت کی روایتیں رویّے، فکری زاویئے و دیگر پہلو اجاگر ہوتے ہیں بالخصوص یہ تحریر خواتین کی محلاتی زندگی کے بارے میں انتہائی اہم معلومات فراہم کرتی ہے۔

مصنف نصیر الدین حیدر شاہ کے دربار اور لکھنؤ ریزیڈینسی کے دفتر میں سررشتہ کی ملازمت کرتے تھے،اس اعتبار سے اس وقت کے سیاسی سماجی اور ثقافتی ماحول کے چشم دید گواہ ہیں(۳)۔اس کے ساتھ ہی خاندانی عداوتوں اور درباری سازشوں پر بھی پر گہری نگاہ رکھتے ہیں۔مصنف نے یہ تصنیف ۱۸۳۷ء میں مسٹر شیکسپیئر (یہ نائب رزیڈینٹ اودھ تھے) کی اجازت سے تحریر کی (۴)۔زوال کے سماجی ومعاشی پہلوؤں کو جاننے کے لیے یہ ایک اہم ادبی غیر تاریخی ماخذ ہے۔

۶۔میر محمود علی،''آصف جاہ ثانی''

''آصف جاہ ثانی'' کے عنوان سے میر محمود علی نے اپنا ایم،اے کا تحقیقی مقالہ تحریر کا تھا۔اس موضوع کو تحقیق کے لیے منتخب کرنے کی وجہ بقول مصنف ان کا بیدر سے تعلق ہونا تھا(۵)۔ادبی صنف کے لحاظ سے یہ تحریر ایک سوانحی تذکرہ ہے۔

۷۔سجاد علی زاہد، ''سرسالار جنگ''

''سرسالار جنگ'' ایک سوانحی تذکرہ ہے جسے سجاد علی زاہد نے تحریر کیا۔اس میں مصنف نے سرسالار جنگ اور برطانوی حکومت کے ساتھ ان کے تعلقات پر واضح انداز میں روشنی ڈالی ہے۔نواب سالار جنگ ۱۸۲۹ میں پیدا ہوئے (٦) اس لحاظ سے ۱۸۵۷ء کے چشم دید گواہ تھے۔اس بناء پر یہ تصنیف حالاتِ زوال کے معاشرتی ومعاشی پہلوؤں کو جانچنے کے لیے اہم دستاویز ہے۔

۸۔محمد رحیم بخش،ظہور الحسن (مرتبہ) ''بیگمات خاندان تیموریہ''

''بیگمات خاندان تیموریہ'' ایک سوانحی تذکرہ ہے جس میں خاندان تیمور کی خواتین کے حالات زندگی کے ساتھ اس وقت کے عصری واقعات بھی شامل ہیں۔یہ تصنیف اس وقت کے معاشرتی مزاج (لوگوں،آبادی اور حکمران طبقوں) کو اجاگر کرتی ہے۔تحریر میں شامل واقعات ۱۹۰۱ء تا ۱۹۰۳ء میں ''قومی رفیق'' نامی ایک اخبار میں سلسلہ وار شائع ہوئے (☆۲)۔دراصل جیسے جیسے خاندان مغلیہ کے بچے ہوئے افراد یا دیگر ریاستوں کے مقامی افراد منظر عام پر آتے رہے ویسے ویسے ان کے حالات رقم ہوتے رہے۔یہ کتاب غدر کے پچاس سال کے اندر مکمل ہوئی۔ویسے تو یہ ایک ثانوی مآخذ ہے مگر آج کے دور میں اس کی حیثیت ایک ابتدائی مآخذ کی ہے۔

۹۔ذوالقدر درگاہ قلی خان،نواب،مترجم،سید مظفر حسین، ''مرقع دہلی''

نواب ذوالقدر درگاہ قلی خاں کی یہ تالیف ایک سوانحی تذکرہ ہونے کے ساتھ زوال مغلیہ کے عصری مآخذ ہونے کا درجہ رکھتا ہے۔جس وقت نواب آصف جاہ دہلی گئے تھے اسوقت مصنف اور نواب حیدر خاں شیر جنگ ساتھ تھے۔مصنف کا خطاب (خاندوراں) ہے۔لہٰذا اس اعتبار سے ان حالات کے چشم دید گواہ ہیں۔

۱۰۔سید محمد اولاد گیلانی، ''اولیاء ملتان''

مذکورہ بالا تصنیف ایک ملفوض ہے جس میں بزرگ و اولیاء کا ذکر ہے۔ظاہراً تو یہ ایک ثانوی مآخذ ہے مگر اس تحریر میں بہت سے ایسے لوگوں سے استفادہ کیا گیا جنھوں نے غدر اور بعد کے حالات اپنی آنکھوں سے دیکھے۔علاوہ ازیں اس میں مغلیہ دربار اور ملتان کے گورنر سے تعلقات رکھنے والے صوفی بزرگان دین ذکر بھی موجود ہے۔خود مصنف نے اس تحریر کی وجہ تسمیہ ''مرقع ملتان'' بتائی،جس میں ملتان سے تعلق رکھنے والے صوفی بزرگان دین کی زندگی کا مختصر اخاکہ پیش کی گیا ہے۔

۱۱۔محمد امین زبیری مارہروی، ''بیگمات بھوپال''

یہ تصنیف زوال کے حالات کے بارے میں نسوانی ادب کے حوالے سے اہم ماخذ ہے،جو سلطان جہاں بیگم (بھوپال) کے حالات وسرگرمیوں سے متاثر ہوکر تحریر کی گئی جن کا خاندان خود زوال سے پہلے اور بعد کے حالات کا

چشم دید گواہ رہا (۷)۔اس اعتبار سے ادبی تذا کیر میں شامل ہے۔

۱۲۔شہر بانو بیگم، معین الدین عقیل (مرتبہ) ''بیتی کہانی''

شہر بانو بیگم کی یہ تصنیف ان کی خودنوشت ہے۔ان کا تعلق دو اہم ریاستوں سے رہا۔ریاست پاٹودی کی بیٹی اور نواب جھجر کی بہو تھیں (۸)۔شہر بانو ویسے تو ایک عام گھریلو خاتون تھیں مگر اس زمانے میں ہونے والے حالات وواقعات نیز ریاست پاٹودی اور ریاست جھجر کے انگریزوں کے ساتھ جو تعلقات رہے اس پر گہری نگاہ رکھتی تھیں۔اس زاویہ نگاہ سے یہ تصنیف بہت اہم ہے کیونکہ مصنفہ ۱۸۵۷ء کی جنگ کی چشم دید گواہ رہیں اور انھوں نے اشراف خاندانوں کی تباہی اور کسمپرسی کا آنکھوں دیکھا حال تحریر کیا (۹)۔اس اعتبار سے یہ خودنوشت ان تمام سوانح سے بڑھ کر ہے جو اس عہد میں یا اس عہد کے بعد شخصیات پر تحریر ہوئیں۔شوہر کی وفات کے بعد وہ دہلی آئیں وہاں ایک انگریز خاتون مس فلیچر کے ذریعے سے ان کی خودنوشت دنیا کے سامنے آئی (۱۰)۔

معاشرتی ومعاشی زوال کے اعتبار سے یہ خودنوشت ''علم تاریخ'' کا بھی ایک اہم ماخذ ہے۔اس تحریر میں دو ایسی ریاستوں کے حالات درج ہیں جو ابتدائی طور پر انگریزوں کی حمائتی ریاستیں تھیں مگر ۱۸۵۷ء کی لڑائی میں ان کا کردار مختلف ہو گیا۔ریاست پاٹودی انگریز حمائتی ریاست کے طور پر ابھری جو نواب اکبر علی خاں (۱۸۱۳ء تا ۱۸۶۲ء) کی تھی جبکہ اس کے برعکس ریاست جھجھر (نواب نجابت علی خان) کی اولاد نے انگریزوں کی مخالفت کی اور باغی ریاست کہلائی۔بغاوت کے بعد اس ریاست کو مکمل طور پر انگریزوں نے ختم کر دیا (۱۱)۔یہ تحریر جنوبی ایشیا کے سماجی ومعاشی اداروں کی کمزوری وتباہی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔یہ تحریر اس بات کی تصدیق کرتی ہے کہ متزلزل حالات سماج ومعیشت پر کسقدر کاری ضرب لگاتے ہیں کہ جن کا دارومدار عرصہ دراز پر محیط ہوتا ہے نیز اکثر وبیشتر کئی صدیوں تک یہ باقیات موجود رہتی ہیں جو بازگشت کی صورت میں بار بار سنائی دیتی ہیں۔

۱۳۔واجد علی شاہ، مترجم تحسین سروری، ''پری خانہ''

''پری خانہ'' واجد علی شاہ کی خودنوشت ہے جسے انھوں نے فارسی زبان میں تحریر کیا۔یہ تحریر ان کی زندگی کے اٹھارہ (۱۸) سالوں (عمر ۸ تا ۲۶ سال) کے حالات پر مشتمل ہے (۱۲)۔مترجم نے اسے ایک نایاب قلمی نسخے سے ترجمہ کیا۔واجد علی شاہ کی یہ تالیف ادبی ماخذ کے حوالے سے بیک وقت خودنوشت سوانح اور تذکرہ ہے جو ادبی چاشنی لیے ہوئے عام فہم انداز میں تحریر کیا گیا۔واجد علی شاہ نے اس میں اپنے عیش وعاشقی کے جذبات، فن موسیقی اور رقص سے دلچسپی پر روشنی ڈالی ہے مگر بنظر غائر یہ تصنیف اسوقت کے عوامی مزاج وطرز عمل کی آئینہ ہے۔فن موسیقی، فن رقص، بناؤ سنگھار کے لحاظ سے یہ کتاب باقائدہ خود ایک ادارہ ہے جہاں سے ان فنوں کو جلا ملتی ہے (۱۳)۔معاشرتی اور محلاتی زندگی کی آئینہ ہونے کی وجہ سے یہ زوال کے عصری ماخذ میں شامل ہے۔

۱۴۔مرزا خداداد بیگ دہلوی، ''بے بدل درگاہ سپہ سالار مسعودؒ''

یہ تالیف اپنے اسلوب کے اعتبار سے ملفوظ ہے جو ۱۸۸۶ میں شایع ہوئی۔مصنف خود خاندان سادات اودھ سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ تصنیف چونکہ ۱۸۵۷ کے بعد تقریبا پچاس سال کے درمیانی عرصہ میں چھپ گئی اس وجہ سے دورِ زوال کا عصری مآخذ ہے۔

۱۵۔موسیو تھیونو، مترجم، سید علی بلگرامی، ''سلسلہ آصفیہ، تاریخ دکن''

موسیو تھیونو ایک فرانسیسی سیاح تھا جو ۱۶۵۵ تا ۱۶۶۸ کے درمیان میں ہندوستان آیا۔مصنف کا یہ سفر نامہ عام طور پر دکن اور دکن کے علاقوں کے حالات پر مشتمل ہے(مصنف نے شمالی ہندوستان کے بھی چند ایک علاقے گھومے)۔اس اعتبار سے یہاں کے متعلق جو کچھ اس کی سمجھ میں آیا وہ اس نے تحریر کیا۔اس وقت جنوبی ہندوستان کے چند علاقے مغلیہ حکومت کا صوبہ بن چکے تھے اور وہاں پر مغلیہ نظام سلطنت رائج تھا۔تحقیق میں اس سفر نامہ کو شامل کرنے کی وجہ اس کا ۱۷۰۷ء سے قریب ترین ہونا ہے۔

۱۶۔جین بیپٹسٹ ٹیورنیر، مترجم، سید علی بلگرامی، ''سلسلہ آصفیہ تاریخ دکن، جلد اول''

جین بیپٹسٹ ٹیورنیر(۱۶۴۰ تا ۱۶۶۷ء) نے دکن کے کافی بڑے علاقے کا دورہ کیا۔اس سفر نامے کے ترجمہ میں مترجم نے ان حصوں کا ترجمہ کیا جو ہندوستان سے متعلق تھے۔ یہ مصنف دور اونگزیب کا چشم دید گواہ ہے۔ دکن کے وہ علاقے جو براہ راست مغل حکومت کا حصہ تھے اور مغل قوانین وضوابط سے متاثر تھے ان کے حالات بارے میں معلومات فراہم کرتا ہے۔

۱۷۔محمود احمد برکاتی، حکیم، ''فضل حق خیر آبادی اور سن ستاون''

یہ تصنیف ایسے شخص پر تالیف ہوئی جنھوں نے خود ۱۸۵۷ء کی لڑائی میں حصہ لیا اور جن کا تعلق صوفیا کرام سے رہا۔مولانا فضل حق ایسٹ انڈیا کمپنی کے ملازم تھے۔ ویسے تو یہ ایک ثانوی مآخذ ہے مگر چونکہ چشم دید شواہد و محرکات پر مبنی ہے اس وجہ سے اسکی اہمیت زوال کے معاشرتی اور چند ایک معاشی پہلوؤں کی نشاندہی کے لیے بڑھ جاتی ہے۔

۱۸۔مرزا اسداللہ خاں غالب، مترجم، خواجہ حسن نظامی، ''دستنبو''

مرزا اسداللہ خان غالب مشہور شاعر، خط نویس اور نثر نگار تھے۔خود غالب کا خاندان عہد شاہ عالم میں ترک وطن کر کے جنوبی ایشیا میں آ کر آباد ہوا۔ان کے اسلاف کا تعلق ماوراالنہر کے سلجوق خاندان سے تھا۔ یہ وہ وقت تھا جب ہندوستان میں سلطنت مغلیہ کا شیرازہ بکھر رہا تھا مگر پھر بھی ان کے دادا کو دربار دہلی میں جگہ مل گئی انھیں ایک پرگنہ بطور جاگیر اور پچاس گھوڑے بطور منصب عطا ہوئے۔ان کے والد عبداللہ خاں بہادر لکھنو و اودھ چلے گئے اور جا کر نواب آصف الدولہ کے دربار سے منسلک ہوئے پھر کچھ عرصے بعد نظام دکن سے وابستہ ہوئے (۱۴) اور چچا نصیر اللہ بیگ

خاں اکبر آباد کے صوبے دار مقرر ہوئے (۱۵)۔اس اعتبار سے غالب نے درباری زندگی اور اس کے وابستہ عنایت ومراعات کا بخوبی مشاہدہ کیا تھا۔ جوان کی تحریروں میں واضح انداز میں جھلکتا ہے۔ اندرونی خانہ جنگی کے باعث غالب کے والد راجہ بختاور سنگھ کی ملازمت میں چلے گئے جہاں دوران معرکہ مارے گئے۔ والد کے گزر جانے کے بعد ان کی پرورش کا ذمہ چچا نے اٹھایا مگر کچھ عرصے کے بعد چچا بھی مر گئے۔ ان کے چچا انگریز منصب دار رہے اسو جہ سے ایک طرف تو غالب کو حکام کمپنی نے ملازمت دیدی اور ان کی خاندانی خلعت بھی بحال کردی (۱۶)۔ دوسری طرف دربار دہلی سے بھی مراعات واپس مل گئیں۔

غدر دہلی سے پہلے یہ دونوں خلعت اور بعد از غدر ان کو بادشاہ کا حامی سمجھ کر انگریزوں نے انگریزی ملازمت اور پنشن سے بھی برطرف کردیا (۱۷)۔ جس کے شواہد ان کی تحریروں میں ملتے ہیں۔ غالب اور ان کا خاندان مختلف درباروں سے وابستہ رہا۔ جن میں حیدرآباد، اودھ، دہلی، الور اور پھر انگریز شامل ہیں۔ جس کی بدولت وہ دیسی بدیسی کئی طرح کے مزاجوں اور ماحول سے واقف ہوگئے۔ چونکہ انھوں نے حساس طبیعت پائی تھی اسو جہ سے اپنے اوپر بیتنے والی کیفت اور زمانے کی دگر گوں حالت کا احساس ان کی نثر و نظم دونوں میں ابھرا۔ جس کی وجہ سے ایسی دستاویز تاریخی حقائق کی صورت میں محفوظ ہوگئی جس نے ادب کے دامن کو وسیع کردیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک قلم کار کی حیثیت سے غالب ایک ''مورخ'' بھی ہیں انہی خوبیوں کی وجہ سے ان کی تحریریں خطوط غالب، روزنامچہ غالب تحقیق میں شامل کیے گئے ہیں۔

غالب کی تحریروں سے معاشرتی ومعاشی زوال کے علاوہ سیاسی زوال بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت کا عام انسان کیا دیکھتا، محسوس کرتا اور رقم کرتا تھا۔ غالب نے حالات غدر کا بغور مشاہدہ کیا تھا، اس کے علاوہ دربار اور درباروں سے ان کی وابستگی پرانی تھی۔ وہ نا صرف خاندان مغلیہ اور دیگر حکمران طبقہ کی حرکات وسکنات سے واقف تھے بلکہ انکی تن آسانیوں اور آسائشات سے واقف تھے۔ اس بناء پر انھوں نے دوران غدر اور بعد از غدر کے حالات رقم بند کیے جسے ''دستنبو'' کا نام دیا۔ تحریر کے لحاظ سے دستنبو ان حالات پر مشتمل ایک دستاویز تحریر ہے جو تقریباً مئی ۱۸۵۷ء تا اگست ۱۸۵۸ء کے دوران کے حالات پر مشتمل ہے۔

''خطوطِ غالب''، مرزا اسداللہ خاں غالب، خلیق انجم (مرتبہ) غالب کے خطوط

مرزا اسداللہ خان غالب کے خطوط بھی سماجی ومعاشی زوال کے دور کا اہم ماخذ ہیں۔ ۱۸۵۷ء کے دوران اور بعد میں رونما ہونے والے واقعات اور حالات کی بہترین عکاسی کرتے ہیں۔ جس میں نا صرف لال قلعے اور بہادر شاہ ظفر کے زمانے میں درباری گہما گہمی، دلی کی رونقیں اور وہاں کے طرز رہن سہن کا بھی ذکر ہے بلکہ ان خطوط میں تنزلی بادشاہت کی وجہ سے لوگوں میں پیدا ہونے والے روایاتی نشیب وفراز، احساسات کی تلخی اور نفسیاتی اثرات بھی دیکھائی دیتے ہیں۔ جو تباہی معاشرہ ومعیشت کے ثبوت ہیں۔ اس کے علاوہ انتزاعی حالات میں ایک عام ذہن

کیا سوچتا تھا اس کی فکر کی بھی عکاسی ان خطوط کے ذریعے ہوتی ہے۔ انفرادی رستخیزی کے عمل نے جس طرح سے اجتماعیت کو متاثر کیا اور دہلی کی مدنی زندگی خاتمے کی نزدیک پہنچ گئی اس کا عکس بھی موجود ہیں اس اعتبار سے سماجی ومعاشی تباہی کا جو عکس غالب کے خطوط میں ملتا ہے وہ تحقیق کے لیے بہترین مواد ہے۔

۱۹۔ محب حسین، ''امیر علی ٹھگ''

''امیر علی ٹھگ'، ادبی صنف کے اعتبار سے ایک سوانح عمری ہے۔ امیر علی کا خاندان ہولکر کے علاقے میں رہتا تھا بچپن میں دوران نقل مکانی ان کے خاندان کو ٹھگوں کے گروہ مار دیا جب کہ امیر علی کو اپنے گروہ میں شامل کر لیا۔ اس کے منہ بولے باپ کا نام اسمٰعیل (ٹھگ) تھا۔ امیر علی کافی عرصے ٹھگوں کے ساتھ رہا۔ انگریزوں نے جب ٹھگوں کو گرفتار اور مارنے کی پالیسی شروع کی تو امیر علی بھی گرفتار ہوا۔ اس دوران اسے اپنے خاندان کے بارے میں کچھ معلوت ملیں تب اس نے اپنی یادداشت تحریر کی۔ اپنی یادداشت کے مطابق وہ لکھتا ہے کہ وہ ایک معزز اور خوشحال گھرانے کا چشم و چراغ تھا۔ اس نے اپنے باپ کا نام یوسف علی خان بتایا (۱۸)۔ یہ تالیف اس دور کی ایک ادبی عصری دستاویز ہے۔

سر سید احمد خان

سر سید احمد خان کا نام برصغیر پاک و ہند میں کسی تعارف کا محتاج نہیں انھوں نے انیسویں صدی کے سیاسی، سماجی و معاشی پس منظر کو اپنے تحاریر کا موضوع بنایا تھا۔ ان کی حیثیت انیسویں صدی کے علمی و ادبی حلقوں میں نمایاں تھی۔ انھوں نے جنگ ۱۸۵۷ء میں انگریز فوج میں خدمات انجام دیں۔ انھوں نے غدر کی وجوہات، معاشرتی زبوں حالی، انگریز حکومت اور مقامیوں کے درمیان بے اعتباری، تعلم کی کمی وغیرہ کو اپنی تحریر کا موضوع بنایا ہے۔ وہ اس دور کی رستخیزی کے چشم دید گواہ تھے۔ (۱۹)

۲۰۔ سید احمد خان، ''اسباب بغاوتِ ہند''

سید احمد خان نے اسباب بغاوت ہند ۱۸۵۸ء میں تحریر کیا تھا۔ اس اعتبار سے ایک عصری ماخذ ہے اس کتاب کا مقدمہ فوق کریمی صاحب نے تحریر کیا۔ کتاب انتہائی اہمیت کی حامل ہے اس میں نا صرف بغاوت کے اسباب پیش کیے گئے بلکہ برطانوی حکمرانوں کو یہ بھی باور کرایا گیا تھا کہ ان کے کن کن اقدامات نے عوام الناس کو اس غدر میں حصہ لینے کی جانب راغب کیا۔ چونکہ ایسٹ انڈیا کمپنی شروع سے ہی یہاں کے درباروں سے وابستہ رہی اور ان ریاستوں کے انتظامی معاملات میں بھی مداخل ہوئی مگر یہ تعلقات صرف خواص کے ساتھ تھے لیکن جب برطانوی حکومت کے نمائندوں نے یہاں کے سماجی وثقافتی عناصر کو بھی نقصان پہنچانا شروع کیا (جو مقامیوں کو جذباتی کرتے) نیز ان کی رسومات و مذہبی اعتقادات میں غیر ضروری مداخلت کرنے کے ساتھ یہاں کے پرانے انتظامی نظام کو ضرر پہنچانے کے اقدامات کیے تو یہ مقامیوں کی ناراضگی کا سبب بنے۔ (۲۰)

۲۱۔سید احمد خان، سر، وحید الدین سلیم، مولوی، مرتبہ سر سید کے خطوط

زوال اور مآبعد زوال کے پس منظر میں ایک اور اہم ترین دستاویز سید احمد خان کے خطوط بھی ہیں۔جس میں وہ خطوط جو انھوں نے لندن سے نواب محسن الملک کے نام بھیجے ان میں انتزال معاشرہ اور ہندوستانی فکراور خیالی ونظری حالات اور رویاتی طرزِعمل واضح نظر آتے ہیں کہ حالات غدر سے پہلے اور حالات غدر کے بعد ہندوستان کی اکثریت کے فکری زاویے انتہا پسندانہ ہو چکے تھے اس کے ساتھ ہی ان خطوط سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ مذہبی حلقوں کی جانب سے جو قدامت پرست فکر ابھری تھی اس نے معاشرے کی اکثریت کو متاثر کیا تھا۔اس کے علاوہ یہ خطوط ایشیا اور مغربی رہن سہن کے فرق اور علمی و عملی فکر وعمل کا تقابلی جائزہ بھی پیش کرتے ہیں جس سے یہ اندازہ لگانا بالکل مشکل نہیں کہ نوآبادیاتی نظام میں انتشار معیشت ومعاشرت صرف غیر اقوام کی وجہ سے نہیں تھی بلکہ ہندوستان کے مقامی بھی برابر کے شریک تھے جن کے اہداف انتہائی محدود تھے اور ان کے پاس وسیع النظری اور دور اندیشی نہیں تھی۔

۲۲۔سید احمد خان، سر، مولوی سید اقبال، ’’سفر نامہ پنجاب‘‘

سفر نامہ پنجاب سید احمد خان کے اس سفر سے متعلق ہے جو امھوں نے علمی فروغ کے لیے کیا۔ کیونکہ سید احمد خان اپنی قوم کے ایسے اصلاح ساز تھے جو اندرونی برائیوں، نفاق اور آپس کی رنجشوں سے واقف تھے اس کے علاوہ وہ انگریزوں کے ذہن کو بھی بڑی حد تک سمجھتے تھے اس ضمن سید احمد خان نے انگریزوں اور مقامیوں کے فکری رجحانات کے فرق کو اجاگر کرتے ہوئے اصلاح کی جانب توجہ دی۔سر سید کے نزدیک یہ رجحانات یا احساس محرومی اسی وقت ختم ہوسکتا تھا جب مقامی لوگ علمی اعتبار سے ترقی یافتہ ہوجائیں اور انگریزوں کے اہداف کو سمجھ سکیں (۲۱)۔مزید اس سفر نامے میں ’’قومیت اور وطن‘‘ کی تعریف بڑے محدود انداز میں پیش کی گئی تھی جو اس وقت کے فکری تناظر کو پیش کرتی ہے۔سید احمد خان کی نظر میں وطن کا نظریہ صرف علاقائی وطنیت تک ہی محدود تھا۔دوسرے علاقے کی جانب ہجرت کا مقصد علاقائی تبدیلی نہیں بلکہ ترک وطن تھا جو اس وقت کے ہندوستانیوں کو گراں گزرتا تھا۔ سر سید نے مختلف علاقوں میں سفر کر کے یہ پیغام دیا کہ اقوام کی بھلائی کے لیے دوسرے علاقوں اور ممالک کے سفر ضرور کرنے چاہیں (۲۲)۔سید احمد خان کی تصنیف سماجی ومعاشی پس منظر میں تبدیلی فکر، خیالات، ثقافتی اقدار کا احاطہ کرتی ہے۔

۲۳۔سید احمد خان، ڈاکٹر سر، ’’مسافرانِ لندن‘‘

سید احمد خان کے سفر نامے کی اہمیت یہ ہے کہ یہ دورِ زوال کا ایک عصری مآخذ ہے۔ چونکہ ۱۸۵۷ کی جنگ سر سید نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھی اور اپنے لوگوں میں عادات ومزاج کے اعتبار سے خامیاں وخوبیاں پائیں۔ان

ہی وجوہات کی بناء پر وہ لندن گئے کہ دیکھیں کہ مغربی اقوام، برطانوی لوگ اپنے ملک میں کن رویوں اور نظری وعملی معاملات کے تحت انتظام سازی کرتے ہیں۔ جس میں کی کامیابیوں کے راز مضمر ہیں (۲۳)۔ یہ ایک سفرنامہ ہے مگر اس میں تاریخ اور بالخصوص سماجی ومعاشی زوال سے وابستہ بعض حقائق وفکری زاویے اتنے اہم ہیں کہ یہ شامل تحقیق ہے صحیح خطوط پر لوگوں کی عادت واطوار جاننے کے لیے نیز داخلی وخارجی فکر کو جانچنے کے لیے اہم ذریعہ ہے۔

۲۴۔ محمد حسن، ''ضیائے اختر''

محمد حسن خود حالات کے چشم دید گواہ اور واجد علی شاہ کے ہم عصر ہیں۔ مصنف نے وجہ تالیف یہ بتائی کہ دوران غدر انگریزوں کے تعلقات سلطنت اودھ کے ساتھ کیسے رہے۔ مصنف اودھ کے رہنے والے تھے اس لیے ان کا مقصد اودھ کے حالات نیز دور واجد علی شاہ میں انگریز حکمرانوں کی اودھ میں دلچسپی کو منظر عام پر لانا تھا۔

۲۵۔ کنہیالال، ''تاریخ بغاوت ہند ۱۸۵۷ء''

یہ تصنیف حکومتی دستاویز ہے۔ مصنف نے چالیس سال انگریزوں کی خدمت میں صرف کیے ان خدمات کے عیوض بطور اعتراف تحریر کی حالانکہ انگریزی فیصلوں کا اثر ان کے اوپر بھی ہوا کہ معرکہ ۱۸۵۷ء کی وجہ سے ان کی ملازمت جاتی رہی یہ فارسی طرز پر لکھی گئی اردو کی تصنیف ہے۔

اس تصنیف میں بعض جگہوں پر تاریخی تسلسل کو برقرار نہیں رکھا گیا۔ مثلاً ایک ہی وقت میں پانچ مقامات پر لڑائی ہو رہی تھی مگر مصنف کو جب ان لڑائیوں کے حالات معلوم ہوئے تو تحریر کیے گئے۔ اس کے باوجود مصنف کی یہ تالیف غدر کی بہترین عکاسی کرتی ہے کہ کس طرح سے مشتعل اور پریشان حال مقامیوں اور اشتعال میں آئے ہوئے انگریزوں نے نظریاتی اور روایاتی رجحانات کی بنا پر غیر انسانیت کا لبادہ اوڑھا۔

۲۶۔ ''تانیتا بھیل (ڈاکو)''

تانیتا بھیل ایک ڈاکو کی سوانح ہے۔ جو اٹھارویں وانیسویں صدی کے حالات کا ایک خاکہ کھینچتی ہے۔ تانیتا ۱۸۴۳ء میں پیدا ہوا (۲۴)۔ اس کا بچپن اور لڑکپن انگریزوں اور مقامیوں کے حالات دیکھتے ہوئے گزرا۔ اس کے والد کھیتی باڑی اور کاشت کارانہ سرگرمیوں سے وابستہ تھے (۲۵)۔ اس تصنیف میں اس وقت کے ماحول میں رچی ہوئی اساطیری جھلک بھی موجود ہے جو اس دور کی تحریروں کی خصوصیات میں شامل تھا یعنی کردار میں مافوق الفطرت عادات کا ہونا ضروری خیال کیا جاتا تھا خصوصاً مجرم، عہدے دار، بادشاہ، شہنشاہ وغیرہ کے کردار میں، یہ نظریہ معاشرتی اعتبار سے ابتری کی علامت تھا۔ مصنف کے انداز تحریر میں برطانیہ اور انگریزوں کے لیے توصیفی انداز پایا جاتا ہے جنھوں نے انسداد دہشت گردی وجرائم کے خاتمے کی جانب توجہ دی۔ قصہ مختصر تانیتا کو ڈاکو یا مجرم بنانے والے بھی وہ ہی حالات تھے جو اس وقت انگریزوں اور کمپنی بہادر کی وجہ سے برصغیر کی اقوام کو درپیش تھے۔ اس وجہ سے یہ تصنیف غیر تاریخی عصری ماخذ ہے۔

۲۷۔غلام احمد خاں گوہر،''حیات ماہ لقاء''

چندا بی بی محمد حسین خان کی بیوی اور ایک بزرگ کی بیٹی تھیں (۲۶)۔ یہ زمانہ دکن میں آصف جاہ کا تھا اور دہلی میں اس وقت محمد شاہ کی حکومت تھی۔ یہ تین بہنیں تھیں اور ان کی تیسری بہن خاندان اودھ کے محلات میں داخل ہوئیں۔ یہ ایک عصری سوانح معلومات ہے خود ماہ لقانے زمانہ زوال اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ معاشی ومعاشرتی ابتری کی ضمن میں اشراف خواتین اور خاندانوں کے حالات کو جاننے کے لیے ایک اہم تصنیف ہے۔

۲۸۔ظہیر الدین حسین ظہیر دہلوی،''داستان غدر''

''داستان غدر''،ظہیر دہلوی کی ایک آپ بیتی ہے۔ظہیر ۱۸۵۷ء کے واقعہ کے چشم دید گواہ ہیں۔ان کی پیدائش کے وقت ان کے دادا مغلیہ تاجدار کے''خط نسخ'' کے استاد تھے(۲۷) اور والد محترم شاہ اودھ میں ملازم تھے مصنف خود شعر وسخن سے دلچسپی رکھتے تھے۔اس وجہ سے ان کی تصنیف میں ان افراد کا تذکرہ بھی ملتا ہے۔ جو ان کے ہم عصر ہیں، اسی اعتبار سے یہ تالیف ایک تذکرہ بھی ہے۔مثلاً انھوں نے مرزا اسد اللہ خان غالب،حکیم مومن خان مومن، غلام علی وحشت اور نواب مصطفے خان شیفتہ جیسے کئی لوگوں کا ذکر کیا ہے(۲۸)۔ مالی اعتبار سے مصنف مستحکم تھے مگر غدر کے حالات میں جب ان کی عمر نو سال تھی تو ان لوگوں کو غلاموں کی طرح بادشاہ سے دور کر دیا گیا(۲۹)۔خود مصنف پچاس روپے مہینہ کے ملازم تھے۔اس کے علاوہ والد صاحب اور راجہ اجیت سنگھ (پٹیالہ) سے بھی کچھ مشاہرہ بطور شعر وسخن ملتا تھا۔اس کے علاوہ خود بھی کچھ خرید وفروخت کا کام کرتے تھے۔یہ تصنیف حالت زوال کے لیے اہم دستاویز ہے۔

۲۹۔جی،ایف،ٹی،لیدر،''۱۸۵۷ میں آرہ کے دوماہ''

یہ تصنیف بھی ۱۸۵۷ کے تناظر میں عصری ماخذ ہے چونکہ مصنف جی، ایف، ٹی، لیدر نے اس میں ۱۸۵۷ء کی جنگ سے براہِ راست منسلک اشخاص کا ذکر کیا ہے اس لیے یہ تصنیف ان مقامیوں اور انگریزوں کے بارے میں معلومات فراہم کرتی ہے جو اس وقت آرہ چھاؤنی میں تعینات تھے ان میں ایک ڈپٹی عظیم الدین حسین ایسٹ انڈیا کمپنی میں ڈپٹی کلکٹر تھے۔وہ پناہ لینے کے لیے آرہ کی چھاؤنی میں آگئے تھے۔(۳۰)

مصنف نے اپنی تحریر کے لیے اس عہد کی ان دو اہم شخصیات کی تحریریں منتخب کیں جو آرہ میں تعینات تھے۔ اول جان جیمس ہالس،اور چارلس کیلے۔آرہ کا شہر ضلع شاہ آباد میں دریائے گنگا اور سون کے سنگم پر واقع ہے۔ یہ علاقہ غیر فوجی اہمیت کا حامل تھا۔مگر یہاں کے رہنے والے باشندے جذباتی تھے اور انھوں نے اس غدر میں بھرپور حصہ لیا تھا لیکن براہ راست نہیں۔ انھوں نے غدر کے مصاحبین کو امداد اور پناہ دی اس کے علاوہ انگریزوں کے راستے میں رکاوٹیں کھڑی کر کے ان کی نقل وحرکت پر نظر رکھ کر اس ہنگامے کا حصہ بنے رہے(۳۱)۔اس اعتبار سے حالت زوال کو جاننے کے لیے یہ تحریر ایک اہم ذریعہ ہے۔

۳۰۔ ولیم رووا روس، مترجم، مولوی نذیر احمد، ''مصائب غدر''

ولیم رووا روس کی یہ تصنیف زوال اور غدر کا عصری مآخذ ہے۔ مصنف اس وقت ضلع بدایوں و روھیل کھنڈ کے مجسٹریٹ اور یہاں کے خزانے کے نگران تھے اور تقریباً ۱۹ مئی اور اس کے بعد ان کا علاقہ بغاوت کے حالات سے متاثر ہوا(۳۲)۔ انھوں نے اپنی تحریر میں اپنے کاروبار کے علاوہ ان مقامی خاندانوں کا ذکر کیا۔ جن کی اراضی مالگزاری برطانوی عدالتوں کے باعث اور نظام مالگزاری کی وجہ سے نیلام ہو چکی تھی یا پھر نئے خریداروں نے پٹہ پر حاصل کر لی تھی۔ ان کی تحریر ثبوت فراہم کرتی ہے کہ ایسے افراد نے بھی باغیوں کی براہ راست پشت پناہی کی اور اپنی زمینوں کو واپس لینے کی تگ و دو کی۔ ولیم رووا روس کی یہ تصنیف ویسے تو ایک سرگزشت ہے مگر اس کا انداز تحریر ایک روزنامچے کا ہے کیونکہ مصنف نے غدر کے حالات کو تاریخ وار تحریر کیا ہے۔ تحریر کی اہمیت کے پیش نظر نذیر احمد صاحب نے اس کو اردو کے قالب میں ڈھالا۔

۳۱۔ شاد عظیم آبادی، ''پیرعلی''

شاد عظیم آبادی جن کا عہد ۱۸۴۶ء تا ۱۹۲۷ کا ہے اس لحاظ نے انھوں نے ۱۸۵۷ء اور اس کی لڑائی اپنی آنکھوں سے دیکھی۔ ان کی تحریر زوال کے حالات کا عصری مآخذ ہے۔ نقی احمد ارشاد نے شاد عظیم آبادی کے ۱۸۵۷ء کے حالات کو ناول کی صورت میں محفوظ کیا(۳۳)۔ اس تصنیف میں زوال کی کئی ایسی جھلکیاں موجود ہیں جو اس وقت کے معاشرے کی عکس بندی کرتی ہے بالخصوص دوران بغاوت مختلف حملے جو ابتری اور تباہ حالی کا باعث بنے۔

۳۲۔ مصنف ندارد، ''سفرنامہ''

یہ ایک مطبوعہ سفرنامہ ہی اور انجمن ترقی اردو کے کتب خانے میں موجود ہے۔ اس کا سرنامہ عنوان اور شروع کے صفحات موجود نہیں ہیں۔ اس وجہ سے مصنف اور عنوان کے بارے میں صحیح معلومات حاصل نہیں ہو سکیں۔ لیکن جو صفحات موجود ہیں اس سے تصدیق ہوتی ہے کہ یہ ایک سفرنامہ ہے جسے ۱۸۵۱ء میں تصنیف کیا گیا۔ جو صفحات موجود ہیں اس میں تنزلی معاشرہ و معیشت کی معلومات نمایاں ہیں علاوہ ازیں ۱۸۵۷ء کی طوائف الملوکی کے حالات کی بھی وضاحت ہوتی ہے۔

۳۳۔ میر تقی خیال، ''بوستان خیال''

بوستان خیال میر تقی خیال کی طویل فارسی داستان ہے، جو ۱۶ حصوں پر مشتمل ہے جن میں سے چار جلدیں دستیاب ہوئیں اور شامل تحقیق ہیں۔ میر تقی خیال گجرات کے رہنے والے تھے۔ معاش کی تنگی کے سبب محمد شاہ کے عہد میں دہلی آئے۔ مورخین کے مطابق، درحقیقت ان کی محبوبہ کو داستانوں اور قصائص سننے کا شوق تھا اس لیے وہ ہر روز انھیں ایک قصہ سناتے علاوہ ازیں وہ داستان امیر حمزہ کی محفلوں میں بھی بیٹھتے تھے۔ ان کے بارے میں مغل بادشاہ کو جب اطلاع ملی تو انھوں نے خیال کو دربار دہلی میں بلایا اور میر تقی خیال بادشاہ دہلی شاہ عالم کے دربار میں بحیثیت

درباری داستان گو و داستان نویس مقرر ہوئے۔ مصنف نے یہ داستان تحریر کر کے زوال کا عصری ماخذ ادبی انداز میں محفوظ کر دیا۔

جلد اول: زبدۃ الخیال/ امہدی نامہ، مترجم عالم علی، ۱۸۹۹

جلد دوم: دوحتہ الابصار/معزالدین نامہ، مترجم مرزا محسن علی خان، ۱۹۱۷

جلد سوم ضیاء الابصار/ جمشید نامہ مترجم مرزا محسن علی خان، ۱۸۹۹

جلد ششم: خزینتہ الاسرار/خورشید نامہ، ۱۹۱۵

جلد اول کا ترجمہ عالم علی نے تحریر کیا ہے۔ ان کا تعلق پرگنہ عظیم آباد ''کرائی'' سے تھا۔ انھیں داستان و حکایات و قصص میں دلچسپی تھی۔ اس لیے بوستان خیال کو دیکھ کر ان کا دل اس کے ترجمہ کی طرف مائل ہوا۔ جلد اول الف لیلوی انداز میں تحریر کی گئی ہے۔ اس میں انسانی طاقت دیو اور دیویوں پر حاوی نظر آتی ہے، جس میں پیش کیا گیا ہے کہ مافوق الفطرت عناصر انسانی محبت میں گرفتار ہو کر آدم زادوں سے شادیاں کر لیتے ہیں۔

جلد دوم دوحتہ الابصار درحقیقت امیر حمزہ کی داستانوں پر مشتمل ہے۔ دراصل داستان امیر حمزہ سنانے والوں کا خیال تھا کہ یہ صلاحیت خدا کی پیدا کردہ ہوتی ہے۔ داستان گوئی کا فن علوم وفنون حاصل کرنے سے نہیں آتا۔ یہ بات میر تقی خیال کو ناگوار گزری اور انہوں نے باقائدہ اپنی داستانیں بنا کر سنانی شروع کیں اور اپنی کہانیوں کو جمع کر کے داستان کی شکل دی۔

جلد سوم جمشید نامہ کو ضیاء الابصار کے نام سے ترجمہ بھی مرزا محسن علی خان نے کیا۔ اس وقت چونکہ ہندوستانی ادباء میں جمشید اور دیگر سلاطین ایران و وسط ایشیا (ترک و ایلم) وغیرہ سے متاثر تھے۔ اس لیے اس تحریر میں بھی داستانوں کے ابتدائی موضوع انھی علاقوں، سلطنتوں اور سلاطین کے خاندانوں سے متعلق ہیں۔ اس تصنیف کا اسلوب ہندوستانی ہے۔ افریقہ کے فرماں روا خاندان سے متعلق داستان شامل ہے۔ داستان درباری سازشوں اور روایات کا ایک گڑھ نظر آتی ہے۔ اس کے علاوہ درباری سجاوٹوں، آرائش کے ساتھ چلتے پھرتے انسانوں کا عکس ہندوستانی ہے۔ یعنی اس تصنیف کا اسلوب بھی ہندوستانی رنگ لیے ہوئے ہے۔

ششم حصہ خورشید نامہ کو مرزا احسن علی نے ضیاء الابصار کے نام سے ترجمہ کا لباس پہنایا۔ اس کتاب میں مختلف لوگ، مختلف ثقافتیں، مختلف علاقے اور جگہیں شامل ہیں۔ جس میں ان قوموں کے رہنے سہنے کے انداز، آداب، آرائش محفل، خیر و بد، اخلاقی قدریں، شائستگی وغیر شائستگی، عیش وعشرت وغیرہ کو مدنظر رکھتے ہوئے داستانیں ضبط تحریر کی ہیں۔ علاوہ ازیں مرد و خواتین کا مختلف ناشائستہ سرگرمیوں میں ملوث ہونا، بادشاہوں کے محلوں کی سرگرمیاں، محلوں کا ماحول، محلاتی ادب و آداب وغیرہ شامل ہیں۔ اس میں مذہبی تعلیم، عقائد اور معاشرتی اقدار کو اس انداز سے پیش کیا گیا ہے کہ دونوں فکری زاویئے ایک مقام پر اکھٹا ہو گئے۔

مرزا محمد ہادی رسوا

مرزا رسوا غدر کے ایک سال کے بعد ۱۸۵۸ء میں پیدا ہوئے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب لڑائی کے اثرات ونتائج سے معاشرہ ومعیشت شدید متاثر تھے۔ مرزا رسوا کا تعلق اودھ کے امرا وروساء خاندان سے تھا۔ نیز ان کا خاندان اودھ کے تعلیم یافتہ گھرانوں میں شمار ہوتا تھا۔ رسواء کے والد علم ریاضی اور نجوم پر دسترس رکھتے تھے۔ انھوں نے رسوا کی تعلیم وتربیت پر بہت توجہ دی۔ اس وجہ سے مرزا رسوا کے مزاج پر لکھنوی معاشرت وتہذیب کے اثرات نمایاں تھے۔ مرزا رسوانے ریلوے میں ملازمت کی (۳۴)۔ ان کی تحریریں ایک جانب لکھنوی طرز معاشرت جس میں بازاری زندگی کا عروج، شرفا کی ان محفلوں میں شمولیت کا عکس کھینچتی ہیں تو دوسری جانب رسوا کی تعلیم یافتہ شخصیت زمانے کے بدلتے ہوئے چلن کا آئینہ پیش کرتی ہے کہ بدلتی ہوئی معاشرت ومعیشت میں تعلیم وہنر ہی انسان کی قابلیت بن سکتے تھے۔ نیز تحریریں سبق آموز ہیں جو ہندوستانیوں کو پیغام دیتی ہیں کہ انھیں اپنا کھویا ہوا وقار اگر دوبارحاصل کرنا ہے تو جدید فکری رجحانات کو اپنانا ہوگا۔ مثلاً ذات شریف، شریف زادہ، لیلیٰ مجنوں، امراوجان اداوغیرہ سماجی ومعاشی زوال کو جاننے کا اہم ذریعہ ہیں۔ یہ تحریریں معاشرتی بکھراؤ کے اس عمل کی عکاسی کرتی ہیں جو فکری، نظری، علمی وعملی طور پر معاشرے کے ہر حصے کو متاثر کررہا تھا۔ علاوہ ازیں معاشی حالات کی پسماندگی کو پیش کرتی ہیں۔

۳۴۔ مرزا محمد ہادی رسوا، ''لیلیٰ مجنوں''

یہ تصنیف دوطرفہ رجحانات کی حامل ہے۔ یوں تو یہ تصنیف زیادہ تر شاعرانہ طرز پر تحریر ہے اس میں سب سے اہم زاویہ تعلیم سے متعلق ہے، جس کی وجہ سے نچلہ طبقہ علم کی طرف راغب ہوا (۳۵)۔ اس کے علاوہ لکھنو واودھ میں اعلیٰ تا ادنیٰ طبقات کے عادات ومزاج میں گھلی ہوئی بازاریت اور غیر اخلاقی اقدار کا عکس بھی پیش کرتی ہے (۳۶)۔ مزید اس تصنیف سے معلوم ہوتا ہے۔ اس وقت اودھ میں تھیٹر کمپنی رواج پا چکی تھی جسے اودھ ولکھنو میں عوامی حلقوں سے پذیرائی ملی تھی (۳۷)۔

۳۵۔ مرزا محمد ہادی رسوا، ''ذات شریف''

رسوا کا یہ ناول ان حالات وواقعات کا عکاس ہے جو زوال مغلیہ اور بعد از ۱۸۵۷ء گھر گھر کو متاثر کرنے کا سبب تھے۔ اس کے ساتھ ہی کہیں پر معاشی خوشحالی اور کسی جگہ معاشی بدحالی کا بھی نقشہ کھنچتے ہیں۔ جس میں اجتماعی معیشت واقتصادیات کی تباہی کے ساتھ جدید معاشی تقاضوں ورجحانات کی تصویر بھی نظر آتی ہے۔ علاوہ ازیں یہ تصنیف ان خاندانوں کا المیہ پیش کرتی ہے جو ہنر اور جدید علوم کو حاصل کرنا برا جانتے تھے۔ اس کے علاوہ اس ناول کی بنیاد لکھنؤ اور وہاں کا ثقافتی وتہذیبی ماحول ہے (۳۸)۔ مرزا ہادی رسوا کا یہ ناول حالات کے بگاڑ اور بعد از غدر ۱۸۵۷ء کے حالات کو جاننے کے لیے تاریخ کا اہم ذریعہ ہے۔ اس ناول سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بدلتی ہوئی قدروں اور

جدید فکری و علمی زاویوں اور پہلوؤں کو جن لوگوں نے اپنایا وہ ہی تباہ ہوتے ہوئے معاشرے کو بہتری کی جانب لے گئے جب کہ اس کے برعکس وہ افراد جواب بھی نظامِ کہنہ سے جڑے ہوئے تھے۔ تعلیم اور جدید علوم کے ساتھ ہنر اور تجربے کو غیر ضروری سمجھتے تھے۔ ان کا طرزِ عمل نہ صرف اپنے لیے نقصان دہ تھا بلکہ آنے والی نسلوں کی بھی تباہی کا ذمہ دار تھا۔

بے شک رسوا کی پیدائش غدر کے ایام کی ہے مگر بچپن سے جوانی تک آتے آتے ان کو بہت سے ایسے لوگ ملے۔ جنھوں مغل زوال اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ بلکہ خود ان کے خاندان کے افراد جنھوں نے آخر آخر بہادر شاہ ظفر کی حکومت اور دہلی کا اجڑنا دیکھا تھا ساتھ ہی لکھنؤ کے دربار کی رونقیں معدوم ہوتے ہوئے دیکھی تھیں۔ ان سے بھی رسوا کی گفتگو رہی اسی تناظر میں رسوا نے یہ ناول تحریر کیا۔

۳۶۔مرزا محمد ہادی رسوا، ''امراؤ جان ادا''

''امراؤ جان ادا'' ایک ناول ہے۔ رسوا اکثر دوستو کی محفل میں غزل سناتے تھے جس مکان کی چھت پر یہ محفل جمی تھی اس کے نیچے امراؤ جان ادا رہتی تھیں ان کو رسوا کی کوئی غزل پسند آئی اور وہ داد دینے کے لیے باقاعدہ محفل میں تشریف لے گئیں۔ پھر اکثر ان محفلوں میں شریک ہونے لگیں۔ ایک روز انھوں نے اپنی داستان حیات رسوا کو سنائی۔ جس کے مطابق ان کا تعلق ایک شریف گھر سے تھا۔ ان کے والد برطانوی حکومت میں جمعدار کے عہدے پر کام کرتے تھے۔ ایک دن انتقامی کاروائی کے نتیجے میں یہ اغوا ہوگئیں اور اغوا کرنے والوں نے انھیں کوٹھے پر بیچ دیا اور یہ طوائف بن گئیں (۳۹)۔ امراؤ کی داستان میں وہ اکیلی اس واقع کی مثال نہیں تھیں بلکہ کوٹھے کی زندگی کے دوران ایسی دوسری مثالیں بھی ان کے سامنے آئیں۔

اس ناول میں لکھنو کے تہذیبی ورثے کی جھلک جا بجا بکھری ہوئی ہے۔ لکھنو چونکہ علوم وفنون اور فنون لطیفہ کی پرداخت ونشو کا مرکز بن چکا تھا اور اس کی معاشرتی معاشی حیثیت مستحکم تھی۔ اس کا ذکر بھی ناول میں ملتا ہے۔ سلطنت دہلی کے بعد یہ مرکزیت سلطنت اودھ کو حاصل ہوئی تھی۔ سلطنت آصفیہ کے حکمران جو مزاجاً سماجی نفسیات اور فکری زاویۂ رکھتے تھے ان کی درباری اور نجی زندگی عام معاشرتی ماحول میں اس طرح خلط ملط ہوگئی کہ یہ لکھنو کا عوامی مزاج بن گیا۔ اس ناول میں اسی عوامی مزاج کی نمایاں تصویر نظر آتی ہے۔ معاشرتی اعتبار سے رسوا کے اس ناول کی اہمیت یہ ہے کہ اس میں مافوق الفطرت یا اساطیری اشخاص کا خاکہ نہیں پیش کیا گیا ہے بلکہ مصنف نے اپنے اردگرد رہنے والوں کے کردار وافعال اور ان پر گزرنے والے حالات پر توجہ مرتکز کروائی ہے۔ مصنف مزاجاً عوامی مزاج کے حامل تھے اس وجہ سے ان کی نظر میں بادشاہوں، شہزادوں اور ان جیسے امرا ور وسا کی حیثیت عام شرفا سے کم تھی۔ اسی وجہ سے ان کی تحریروں میں یہ مزاج، رویہ اور ماحولیاتی پس منظر تقریباً ایک جیسا ہے۔

رسوا کا یہ ناول حالات زوال کی معاشرتی تصویر کشی اتنے بھرپور انداز سے کرتا ہے کہ یہ اگر عصری نہ سہی تب بھی ابتدائی ثانوی آخذ اور ادبی آخذ ہونے کی وجہ سے عہد زوال کی تاریخ کا انتہائی اہم غیر تاریخی آخذ ہے۔ بعض اوقات جس کی اہمیت عصری دستاویزات سے بھی بڑھ کر ہے۔ چونکہ رسوا کو تاریخ کو وہ دور ملا جس میں تنزلی حالات اور غدر ۱۸۵۷ء کے اثرات اور مابعد اثرات ونتائج ابھر کر عوام الناس کے سامنے آرہے تھے۔

۳۷۔ مرزا ہادی رسوا، ''شریف زادہ''

شریف زادہ نامی ناول سوانح عمری کے انداز میں تحریر ہوا۔ جس میں کہانی کا مرکزی کردار عابد حسین کا ہے جو اپنی روایت کے ساتھ ساتھ علوم جدید کا بھی حامی ہے۔ ناول سے ان چند ایک گھرانوں کی نشاندہی بھی ہوتی ہے جو صحیح معنوں میں مہذب اور شریف تھے مگر انھیں زمانے کی مبدل ہوتی فکر، ذرائع معاش کی تبدیلی اور داخلی و خارجی عوامل کی وجہ سے مشکلات اٹھانی پڑیں اور انھوں نے ان حالات کا مقابلہ کیسے کیا۔ (۴۰)

رسواء کا یہ ناول زوال اور مابعد زوال عناصر کا آئینہ دار ہے۔ لہٰذا معاشرتی و معاشی حالات کا بہت ہی اہم غیر تاریخی آخذ ہے۔ جو بے شک انفرادیت کے پیرائے میں تحریر ہے مگر اس انفرادی عمل میں اجتماعیت کی جو تصویر نظر آتی ہے وہ انتہائی اہم ہے۔

۳۸۔ عزیز الدین احمد گڈھوال، ''ثمرہ دیانت''

یہ کتاب مصنف نے سی۔ ایل، ایم، ایلس (C.L.M.Eales) کے نام بطور تہنیت معنون کی ہے (۴۱)۔ اس کتاب کا بنیادی موضوع وہ افراد ہیں جو ہندوستان میں کھلنے والے برطانوی اداروں کا حصہ بنے۔ جہاں ان اداروں میں بڑے آفسرز نے کام کیا ویسے ہی ایک طبقہ چھوٹے، ادنیٰ عمال، عہدداران پر بھی مشتمل تھا۔ اصل میں سیکریٹرٹ یا بیوروکریسی کی ابتدا یہیں سے ہوئی۔

تاریخ شاہد ہے کہ معاشرتی سطح پر بڑے بڑے عہدے داران کے مقابلہ میں ضرر وایذا رسانی کا باعث یہ چھوٹا عملہ ہوتا ہے۔ بالخصوص عدالتوں، کورٹ کچہری، پولیس وغیرہ میں کیونکہ بڑے آفیسرز کے پاس تو کیس تیار ہو کر پہنچتا ہے مگر اصل کام تو چھوٹا عملہ سرانجام دیتا ہے۔ پھر جس طبقے کے انگریزوں سے مصنف براہ راست رابطے میں رہے۔ بقول مصنف یہ اس طبقے کا آفیشل فوٹو گراف ہے (۴۲)۔ کچھ انگریز ہندوستانیوں کو ان کی ایمانداری اور جذبۂ دیانت کی وجہ سے زیادہ پسند کر کے ان کی ترقیاں چاہتے تھے اور اس جذبۂ ایمانداری کو بڑھانے میں معاون ومدد گار تھے۔ ان میں مثال مسٹر فرار، مسٹر لمیڈن، مسٹر جان، مسٹر اوڈ برن اور چیف سیکریٹر گورنمنٹ ومسٹر بلیئر نیٹ صاحب کی ہے۔ (۴۳)

۳۹۔احسن اللہ خاں،حکیم،''قصہ ممتاز باتصویر''

''قصہ ممتاز باتصویر'' کے مصنف بہادر شاہ ظفر کے عہد میں تعینات وزیر حکیم احسن اللہ خان ہیں۔اس داستان کو ظہیرالدین ظہیر نے فارسی سے اردو میں ترجمہ کیا۔تصنیف کا مقصد سراج الدین بہادر شاہ ظفر کو خوش کرنا تھا(۴۴)۔داستان کا موضوع بھی بادشاہ اوراس کے بیٹے کیوان جاہ انجم کے اوپر ہے۔اس بادشاہ کے سات بیٹے تھے، چھ بیٹے انتظام انصرام میں کم صلاحیت جبکہ اس کے مقابلے میں ساتواں بیٹا باصلاحیت حکمرانی وجہاں بانی تھا۔چونکہ شہزادے کی ماں خوارزم شاہ سے تعلق رکھتی تھی اوراس سے بادشاہ کے اختلافات تھے۔اس وجہ سے اس کے بیٹے کی جانب بادشاہ توجہ نہیں دیتا تھا۔شاہی وزیران شہزادوں کی ہر عادت خاص وعام کو جانتا تھا۔اسوجہ سے اس کا دست شفقت ساتویں شہزادے پر تھا۔ابتدائی مغلیہ عہد میں ہی کئی راجپوت شہزادیاں مغل خاندان کا حصہ بن چکی تھیں نیز مغلیہ دربار میں بہت سے راج پوت اعلیٰ خاندانوں کے بڑے بڑے مناصب پر فائز تھے یہاں تک کہ آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر تک یہ ماحول عام تھا اس لیے داستان کا معاشرتی ماحول ملاجلا (ہندو مسلم) ہے۔

۴۰۔مرزا علی،''گلشن ہندی''

یہ تذکرہ گورنر جنرل مارکوئیس ولیزلی کے عہد میں جان گلگرائسٹ کے زیر اہتمام فارسی سے اردو میں گلزار ابراھیم (ابراھیم علی خان) نے ۱۸۰۱ء میں تصنیف کیا۔یہ تذکرہ ہندوستان کے فارسی زبان کے شعراء کا تذکرہ ہے، جوتقریباً ۱۷۸۴ء میں ختم ہوا۔اس کی سماجی اہمیت کو دیکھتے ہوئے جان گلکرائسٹ نے شعبہ ہندوستانی کے فروغ کے لیے ترجمہ کروایا تاکہ انگریز اور دیگر طلبہ اس کو پڑھیں اوراس سے استفادہ حاصل کرسکیں۔شاہ عالم خود بھی شاعر تھے۔اس کے علاوہ دیگر امرا بھی اسی فن کے ماہر تھے۔اس وجہ سے اس تذکرے کی معاشی ومعاشرتی تاریخ کے حوالے سے اہمیت بڑھ گئی ہے۔

۴۱۔نذیر احمد،ڈپٹی،مولوی،''مراۃ العروس''

مراۃ العروس ایک سماجی ناول ہے جس کا بنیادی مقصد لڑکیوں کی تعلیم وتربیت ہے۔اس کا پس منظر یہ ہے کہ انگریزوں اور مغربی اقوام کے آنے کے بعد ان کا نظام تعلیم معاشرے میں رائج ہو چکا تھا۔اس وجہ سے ہندوستان کی پڑھی لکھی کلاس کو یہ فکر دامن گیر تھی کہ کہیں انگریزی اسکولوں میں پڑھ کر ان کی لڑکیاں بگڑ نہ جائیں۔ڈپٹی نذیر احمد جو دہلی اسکول سے پڑھ کر اتنے روشن خیال ضرور ہوگئے کہ ان کی نظر میں لڑکیوں کی جدید تعلیم کا رجحان موجود تھا مگر اس کے ساتھ ہی اپنی محدود سوچ سے بھی دامن نہیں چھڑا سکے جس کی وجہ سے ان کے خیال میں لڑکیوں کو صرف مخصوص تعلیم کی ضرورت تھی جو انھیں اچھی ماں اور ایک اچھی گرہستن بنا سکے۔وہ جانتے تھے کہ اب لڑکیوں کو تعلیم سے دور رکھنا ناممکن ہے۔اس بناء پر نذیر احمد کا یہ ناول تنزلی حالات وغدر ۱۸۵۷ء کے بعد معاشرے میں پائے گئے جدید رجحانات کا مبصر ہے۔معاشرتی ومعاشی زوال کے تناظر میں اس عہد کا عصری غیر تاریخی مآخذ ہے۔

۴۲۔نذیر احمد، ڈپٹی، مولوی، ''ابن الوقت''

''ابن الوقت'' ڈپٹی نذیر احمد کا ایسا ناول ہے جو ۱۸۵۷ء کے سماجی، معاشی وسیاسی تناظر میں تحریر ہوا۔اس کے علاوہ اس میں معاشرتی رویوں، رجحانات اور جہتوں پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔اسوجہ سے یہ ایک عصری غیر تاریخی ماٰخذ ہے۔جس میں خارجی وداخلی اثرات بھی موجود ہیں۔

ناول کا بنیادی متن ایک ایسے شخص کے گرد گھومتا ہے۔جس نے معاشرے کے بدلتے ہوئے چلن کو دیکھتے ہوئے جدیدیت کو اپنالیا، جس کی وجہ سے اس کی مخالفت کے لیے اندرونی ادارے سرگرم ہوگئے(۴۵)۔اس تناظر میں دیکھا جائے تو ایک طرف نظام کہنہ دم توڑ رہا تھا جس کی مثال ''بادشاہت کا عہدہ تھا۔تو دوسری طرف جدید ادارے ان کی جگہ لینے کے لیے تیار تھے جو خود مقامی نہیں تھے بلکہ غیر قوم اپنا نظام سیاسی، سماجی و معاشی متعارف کروارہی تھی(۴۶)۔اس صورت حال میں معاشرے میں بسنے والے افراد انتہائی کشمکش میں تھے کہ آیا جدید نظام جدیدیت کو اپنا لیا جائے یا نہیں۔اس ضمن میں کہ اگر ایسا کیا جائے تو اپنے تشخص، ثقافت اور اپنے مذہب کو بڑھتی ہوئی دنیا کے ساتھ کس طرح ہم آہنگ کیا جائے۔اسی تناظر میں ''ابن الوقت'' وہ کردار ہے جس نے چند ثقافتی ومعاشرتی اقدار کو بچایا اور چند کو چھوڑ کر جدید نظریہ فکر اور علمی وعملی رجحانات کو اپنالیا۔

۴۳۔ایضاً، ''بنات النعش''

یہ تصنیف بھی نذیر احمد کی اصلاح معاشرہ کے ضمن میں تحریر ہے، جو زوال اور بعد از زوال ۱۸۵۷ء معاشرے کی عکاسی کرتی ہے۔اس میں درباری زندگی کی تنزلی برطانوی اداروں کا قیام اور اس کا انسانی فکر کو متاثر کرنے کا عمل تحریر ہوا ہے۔مزید درمیانی طبقے (مڈل کلاس) کی ابتدا اور ان کے فکری ونظری زاویوں سے روشناس کرایا گیا۔اس کے علاوہ یہ تحریر تنزلی دربار کے بعد شرفاء کے مزاج کے آئینہ دار ہے۔

۴۴۔ایضاً، ''فسانۂ مبتلا''

یہ ناول بھی اصلاحی طرز کا ہے۔

۴۵۔ایضاً، ''توبۃ النصوح''

نذیر احمد صاحب کا یہ ناول بھی اصلاحی طرز پر تحریر ہوا ہے، مگر اس میں جو سب سے اہم نکتہ پیش کیا گیا وہ دو نسلوں کے درمیان خیالات وفکر کا تضاد ہے جسے مصنف نے نصوح اور کلیم کی صورت میں پیش کیا(۴۷)۔نیز دیگر یورپی اقوام کے آنے کی وجہ سے فکری ونظری خیالات میں تبدیلی آرہی تھی اور داخلی وخارجی عناصر فکر وعمل کو متاثر کر رہے تھے، جو انھیں پرانی نسل سے جدا کر رہی تھی جس کی وجہ سے ہندوستان کے بیشتر گھرانوں کا خاندانی نظامی انتشار کی زد پر تھا۔اسی نکتے کی وضاحت نذیر احمد صاحب نے کی ہے۔

۴۶۔ مکند لعل، سرجن، ''تاریخ بغاوت ہند''

مکند لعل کی یہ تالیف روز نامچہ ہے۔ انھوں نے حالات غدر کو تاریخ وار مہینوں کی ترتیب سے تحریر کیا جو دو جلدوں اور مختلف حصوں پر مشتمل ہے۔ جلد اول میں پہلا حصہ ۱۸۵۷ء انتیس جولائی کے حالات پر ہے، حصہ سوم تا گیارہ اس کے بعد کے حالات پر ہے۔ جلد دوم میں حصہ دو (۲) تا پانچ (۵) تک کے حالات ہیں۔ دوران بغاوت مصنف اسسٹنٹ سرجن کی حیثیت سے انگریزی سپاہ میں اپنی ذمہ داریاں سنبھال رہے تھے۔ اس تصنیف کی سب سے اہم بات یہ ہے کہ یہ عین بغاوت کے دنوں کا روز نامچہ ہے اور اس میں بہت سے ایسے حالات وواقعات رقم ہیں۔ جن کا تعلق انگریزوں کے رویوں اور رجحانات سے ہے۔ جس کے پس پردہ سماجی ومعاشی دباؤ اور ابتری تھی۔ اس کے علاوہ جو سب سے اہم بات ہے وہ یہ کہ کتاب بھی انگریز مشاورت ودباؤ میں تحریر ہوئی۔ اس کے علاوہ ہر شہر کا حال الگ قلم بند کیا۔ اس اعتبار سے یہ تصنیف زوال کا عصری ماخذ ہے۔

۴۷۔ مسز ہوتست خانم، مترجم، سید ظفر حسن، مولوی، ''ایامِ غدر''

تعارف تصنیف۔ یہ مسز ہوتست کی سرگذشت ہے جو فارسی زبان میں تھی۔ جیسے مولوی ظفر حسن صاحب نے اردو میں ترجمہ کر کے مرتب کیا جبکہ فارسی زبان میں یہ انگریزی سے ترجمہ ہوئی تھی۔ اس وجہ سے مصنف نے اس سر گزشت کو داستان کے انداز میں بیان کیا ہے۔ مصنف نے تحریر کو قارئین کے لیے باعث کشش اور دلچسپ بنا کر پیش کیا۔ اس وجہ سے اسلوب تحریر میں عام ہندوستانی بول چال اور روز مرہ کے محاورات کا استعمال کیا۔ اس اعتبار سے یہ تنزلی حالات بالخصوص ایام غدر کی عصری ماخذ ہے اور بیک وقت آپ بیتی اور داستان دونوں ہے اور اسی حیثیت سے یہ مقالے میں شامل ہے۔

ہوتست معاشی اعتبار سے کاروباری وکاشت کار گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں۔ ان کے شوہر ہندوستان میں نیل کی صنعت کے بڑے بیوپاری تھے۔ ۱۸۵۷ء میں غدر سے کچھ عرصہ ہی پہلے ہی یہ خاندان نیل کا ٹھیکہ کسی کو کرائے پر دیکر یا مکمل بیچ کر انگلستان واپس جانا چاہتا تھا (۴۸)۔ مگر ابھی تک ان کو انگریز پریزیڈنسیوں سے کوئی تسلی بخش جواب نہیں ملا تھا۔ (مدراس، بمبئی، کلکتہ) اور حالات کی خرابی کی وجہ سے خرید وفروخت کے معاملات التواع کا شکار تھے۔ اسی دوران غدر ہوا۔ جس میں ان کے شوہر، بیٹا، بیٹی اور داماد کو یکے بعد دیگرے ان کی آنکھوں کے سامنے سرکشوں، انتہا پسندوں نے گولیوں، تلواروں اور دیگر ہتھیاروں سے مار دیا (۴۹)۔ چونکہ ۱۸۵۷ء میں یہ خاتون انتہائی برے حالت سے نبرد آزما رہیں۔ اس وجہ سے انھوں نے اپنے اوپر بیتی کہانی کو خود رقم کیا تا کہ لوگوں کو عبرت حاصل ہو۔

۴۸۔خواجہ حسن نظامی، ''غدر دہلی کے افسانے، بیگمات کے آنسو''

نظامی صاحب کی یہ تصنیف دہلی کی تباہی، بدحالی اور اجڑنے کا منظر نامہ ہے۔جس میں انھوں نے ان لوگوں کے حالات کو قلمبند کیا جو حالات زوال اور غدر کے دوران اپنے تمام مالی اثاثہ جات تو ایک جانب بلکہ خاندان کو بھی کھو بیٹھے۔خوش قسمتی سے اگر انگریزوں کے ہاتھوں کسی کی جان بخشی گئی یا وہ انگریزوں سے محفوظ رہ گیا یا بعد میں بعد از تفتیش جرم نہ ثابت ہونے کی بناء پر قید سے رہائی ملی بھی تو مالی پریشانی کا شکار ہو گئے۔کیونکہ انگریزوں کی جانب سے ایسے افراد کے لیے دس روپے اور پانچ روپے پنشن طے پائی تھی۔جس میں ان افراد کا گزارہ مشکل تھا۔سب سے بڑا مسئلہ تو خاندان مغلیہ کی بیٹیوں کو پیش آیا۔

جن کا حال غدر کے بعد اور بھی خراب ہو گیا۔ان میں سے کچھ تو معاشرے کے ادنیٰ طبقوں کا شکار ہو گئیں۔ جنھوں نے درباروں اور مغلیہ تاجداروں سے ناراضگی کا انتقام ان خواتین کو بے عزت کر کے اور کمتر سمجھ کر لیا۔خواجہ صاحب کی یہ تصنیف افسانوی پیرائے میں تحریر ہے مگر سماجی و معاشی زوال کے لیے علم تاریخ کی انتہائی اہم دستاویز ہے۔جس میں ابتری وانتشار معاشرہ ومعیشت کی زندہ تصویریں چلتی پھرتی نظر آتی ہیں۔

۴۹۔خواجہ حسن نظامی، ''دلی کی جان کنی''

یہ تصنیف خواجہ حسن نظامی کے ''غدر دہلی کے افسانوں'' کا آٹھواں حصہ ہے۔جس میں انھوں نے دم توڑتی ہوئی دلی کے وہ حالات و واقعات بہ تحقیق تحریر کیے ہیں جو دیگر شائع شدہ ہم عصر کتب سے تصدیق ہو سکیں۔اس وجہ سے اس کتاب کی اہمیت دو چند ہو گئی ہے۔چونکہ تنزلی حالات میں اور ۱۸۵۷ کے بعد جو کچھ اہلیان دہلی کو برداشت کرنا پڑا اور جتنی تباہی و بربادی ہوئی اس سے یہ سمجھ آیا کہ اپنے سے ذہین اور طاقت ور حکومت سے بغاوت کرنا دانشمندی نہیں بے وقوفی ہے۔اس حصہ میں چند نایاب تصاویر بھی موجود ہیں۔

۵۰۔ایضاً، ''غدر دہلی کے افسانے، گرفتگار شدہ کے خطوط''

تعارف تالیف۔خواجہ حسن نظامی نے غدر دہلی افسانوں کا پانچواں حصہ ''گرفتار شدہ کے خطوط'' کے نام سے تحریر کیا۔اس میں ان حالات کو بیان کیا گیا جو ۱۸۵۷ء کی لڑائی میں انگریزوں کو سہنے پڑے۔اور ساتھ ہی ہندوستانیوں کو بھی۔نظامی صاحب نے یہ تصنیف ان خطوط پر تحریر کی جو لال قلعے سے انگریزوں کے ہاتھوں پکڑے گئے۔انگریزوں نے ان خطوط کو بطور ثبوت سنوائی عدالت کے وقت پیش کیا (۵۰)۔حالانکہ یہ بات ظاہر ہے کہ وہ افراد جنھوں نے بغاوت کی وہ قلعے میں آ کر چھپے تھے مگر بعد میں انگریزوں کا رویہ شہنشاہ ہند کے ساتھ درشت اور سخت ہوتا چلا گیا۔جس کے ذمہ دار خود بادشاہ کے بیٹے مرزا مغل اور خضر سلطان وغیرہ تھے۔جنھوں نے باغیوں کی پشت پناہی کی۔چونکہ یہ خود اپنے اقتدار کے خواب دیکھ رہے تھے۔اس وجہ سے انھیں یہ موقع غنیمت لگا۔تا کہ اس ہنگامے

میں اگر جیت ہندوستانیوں کی بھی ہوئی تب بھی بوڑھے شہنشاہ کو معزول کرنے میں کوئی مشکل نہیں ہوگی۔ حالانکہ خود مغل بادشاہ برطانوی پنشنر کی حیثیت سے تخت پر موجود تھے۔ اس کے علاوہ معاشی غیر مستحکم صورت حال کے باعث بھی اپنی قوت ارادی اور حوصلہ کھو چکے تھے۔

۵۱۔ ایضاً ''غدر دہلی کے افسانے، انگریزوں کی بپتا''

اس حصے میں خواجہ حسن نظامی نے غدر کے باعث باغیوں کی شورشوں اور حملوں کو تحریر کیا ہے نیز دوطرفہ جانی مالی نقصان کی حالت زار بیان کی ہے۔ اس کے علاوہ اس دوران انگریزوں کی دوطرفہ فکر اور رجحانات کو بھی اجاگر کیا ہے جو اس وقت مروج تھے۔ یعنی وہ انگریز جو کسی مصیبت کو مقامیوں کے (ہندوستانی) ہاتھوں سہتے ان کی فکر ایسے لوگوں کے بارے میں کیا تھی اور وہ انگریز جو لڑائی کے میدان میں لڑ رہے تھے اور دوران لڑائی مقامیوں نے انھیں تحفظ دیا ان کا فکری نظریہ کیا تھا۔ اس کے علاوہ دوران غدر انگریز خواتین و بچوں پر جو ظلم ہوا اور ان کے گھر تباہ ہوئے اس کا بھی مبصر ہے (۵۱)۔ تنزل اور ۱۸۵۷ء میں دورخی پالیسی، فکری زاویوں کو جاننے کے لیے، غیر تاریخی اہم تصنیف ہے۔

۵۲۔ ایضاً ''غدر دہلی کے افسانے، غدر دہلی کے اخبار، حصہ ششم''

یہ تصنیف صادق الاخبار کے گیارہ اقتباسات پر مشتمل ہے جو جنوری ۱۸۵۷ء تا ستمبر ۱۸۵۷ء تک چھپے۔ ان میں حالات غدر کو پیش کیا گیا۔ خاص طور پر ان میں سے چند اقتباسات کو بہادر شاہ ظفر کے مقدمے کے وقت بطور ثبوت پیش کیا گیا۔ اس کے علاوہ خارجہ امور نے جو زک جانشین مغلیہ کو پہنچائی اس کی بھی نشاندہی کی ہے۔ نظامی صاحب کا یہ روزنامچہ دستاویز سماجی و معاشی زوال کی تاریخ کے لیے اہم ادبی مآخذ ہے جو ثبوت فراہم کرتا ہے کہ اخبارات کس طرح سے حالات کی خرابی و ابتری کا باعث بنتے ہیں۔

۵۳۔ ایضاً ''غدر دہلی کے افسانے، بہادر شاہ کا مقدمہ، حصہ چہارم''

خواجہ حسن نظامی نے غدر دہلی کے افسانوں پر مشتمل حصہ چہارم میں بہادر شاہ ظفر کے مقدمے کی تفصیلات پیش کی ہیں کہ انگریزوں کی جانب سے بہادر شاہ ظفر کو تخت بادشاہت سے معزول کرنے کے لیے کیا کیا الزامات عائد کیے گئے۔ اس تصنیف میں تاریخی شواہد کو ادبی انداز یعنی مکالماتی طرز پر تحریر کیا گیا۔ اس تصنیف کی سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس میں ۲۷ جنوری ۱۸۵۸ء کو پیش ہونے والے مقدمے کی کاروائی تاریخ وار دی گئی ہے (۵۲)۔ اس کے علاوہ مقدمے کی دیگر تفصیلات کو بھی پیش کیا گیا۔ اس کیس کی سماعت کے لیے میجر جنرل ہینی، سی، بی، کمانڈنگ آفیسر ڈویژن چیف کمیشنر پنجاب مقرر کیا گیا۔ اس کے علاوہ جو آفیسرز شریک ہوئے ان میں پریزیڈنٹ لفٹیننٹ کرنل ڈاس افسر توپخانہ، میجر پامر، رسالہ نمبر ۶۰، میجر ریڈ منڈ رسالہ نمبر ۶۱، میجر سائرس، کمپنی نمبر

۶، کپتان راتھن پیدل نمبر ۴، کپتان سکھ، پیدل نمبر ۴، مسٹر جیمس مرنی، مترجم مقدمہ، میجر ایف، بہرئسٹ، ڈپٹی جج ایڈ وکیٹ جنرل وکیل سرکار تھے(۵۳)۔

۵۴۔ایضاً،''دو سفر نامے''

یہ سفر نامے بھی تاریخی اہمیت کے حامل ہیں۔

۵۵۔عیسوی خان بہادر، مسعود حسین خان (مرتبہ)''قصہ مہر افروز دلبر''

قصہ مہر افروز دلبر کے مصنف عیسوی خان ہیں۔عیسوی خان کا تعلق عہد سلاطین میں سلطان محمد بن تغلق سے ملتا ہے(۵۴)۔ یہ خاندان بخارا سے ہرات اور ہرات سے ہندوستان آیا درباری زندگی سے وابستہ ہونے کی وجہ سے صف اول کے امرا میں شمار ہوا اوراسی منصب داری کی وجہ سے مغلیہ دربار میں بھی اعلیٰ عہدوں تک رسائی رہی۔عیسوی خان کا تعلق لال قلعہ دہلی سے بہت گہرا تھا(۵۵) ایک اندازہ ہے کہ یہ آخری عہد محمد شاہ اور احمد شاہ مغل بادشاہ کے دربار سے وابستہ رہا۔مصنف نے فارسی داستانوں سے متاثر ہوکر اردو میں اس قصے کو تحریر کیا۔اس داستان میں حکمران خاندان کے صرف دو افراد کا نام اصلی جب کہ باقی نام فرضی ہیں۔

یہ داستان تاریخی اہمیت کی حامل ہے۔مصنف نے عہد زوال کے معاشرتی اورکسی حد تک معاشی رجحانات کو اپنے خیالات اور تخیل کی مدد سے ایک مختصر داستان میں پیش کیا ہے۔اول اس داستان کا مزاج دہلوی ہونے کے ساتھ عہد وسطیٰ کے تہذیبی عناصر اور تمدنی بناوٹ کی جھلکیاں لیے ہوئے ہے، دوم اس داستان میں عہد زوال کے فکری نصائح اور نظری جہتوں اور مزاج ومزاق کا عکس بھی پایا جاتا ہے(۵۶)۔ داستان میں معاشرتی بے راہ روی اور عاشقانہ فضا کے علاوہ کہیں کہیں پند ونصاع اور مذہبی تبلیغ کی چاشنی ملتی ہے۔

۵۶۔رام سہائے تمنا،''احسن التواریخ''

رام سہائے تمنا کی یہ تصنیف اس لیے تحقیق میں شامل کی گئی ہے کہ یہ اودھ کی تاریخ ہے۔جس کو احسن التواریخ کے نام سے موسوم کیا۔ بیشتر حالات ابھی تک اودھ کے ضابطہ تحریر میں نہیں آئے تھے۔اس وجہ سے مصنف نے نواب سعادت خان برھان الملک کا خاندان اور واجد علی شاہ کے ساتھ اپنی قربت اور جذباتی واقفیت کی بنیاد پر تحریر کی تاکہ اس خاندان کے بارے میں جو ضروری کوائف لوگوں کو نہیں معلوم ہیں وہ دنیا تک پہنچائیں جاسکے۔

۵۷۔کرم علی، مترجم سید یوسف رضوی، حکیم،''مظفر نامہ''

کرم علی کا تعلق علی وردی خان کے خاندان سے ہے۔اس کتاب کا نام مظفر جنگ کے نام معنون کیا جو بنگال کے نائب تھے۔جب انگریزوں نے مظفر جنگ کو گرفتار کیا تو یہ حال مصنف نے اپنی آنکھوں سے دیکھا(۵۷)۔اس اعتبار سے یہ زوال کے عصری ماخذ میں شامل ہے چونکہ مصنف نے خود تحریر کیا کہ علی وردی خان نے اوڑیسہ پر قبضہ

کرنے کے بعد سب کے ماہانہ مشاہرے میں اضافہ کیا تو محرر یعنی کرم علی جو اس وقت ۵ سال کے تھے۔ان کا مشاہرہ پچاس روپے کر دیا۔ یہ کتاب زوال کے سماجی و معاشی حالات کو جاننے کے لیے اہم تصنیف ہے۔اس کے علاوہ علی وردی خان اور سراج الدولہ کے دور کی عکاسی کرتی ہے۔ساتھ ہی خاندان علی وردی خان اور دیگر امراء بنگال کے تعلقات پر بھی روشنی ڈالتی ہے۔

۵۸۔مرزا ابوطالب اصفہانی،مترجم ثروت علی،ڈاکٹر،''تاریخ آصفی''

مرزا ابوطالب کی تحریر کردہ تصنیف اسلوب کے اعتبار سے ایک تذکرہ اور سوانح ہے۔اور ایک عصری ماخذ ہے۔مصنف نے خود بحیثیت عامل کے عہدے پر کام کیا دوم کڑا کا علاقہ بھی زین العابدین نے ابوطالب کے سپرد کیا(۵۸)۔خود مصنف کا بچپن دربار سے وابستہ رہا اور محلاتی زندگی کی چہل پہل ان کی تحریر کا حصہ ہے۔دربار اودھ سے رشتہ ازواج (محمد رضا خان کی عزیزہ) کی وجہ سے گہرے مراسم ہوئے۔شجاع الدولہ نواب صفدر جنگ کے بیٹے تھے۔جن کا اصل نام جلال الدین حیدر تھا(۵۹)۔قصہ مختصر دربار سے وابستہ رہنے کی وجہ سے عتاب کا نشانہ بھی بنے۔اس کے علاوہ انگریزوں کے حامی ہو جانے کی وجہ سے انگریزوں کی حمایت کی اسی وجہ سے رچرڈسن کے کہنے پر تاریخ آصفی کے نام سے ریاست اودھ کے حکمران خاندانوں کا تذکرہ بھی تحریر کیا(۶۰)۔

۵۹۔مرزا ابوطالب اصفہانی،''سفر نامہ فرنگ''

مصنف کی یہ تصنیف ایک سفر نامہ ہے جو انھوں نے انگلستان (یورپ) پر لکھا۔اس کے ساتھ ہی یہ روزنامچہ بھی ہے اصل میں یہ تصنیف تاریخ وار ڈائری ہے۔مصنف نے نواب شجاع الدولہ (اودھ) کے زیر سایہ پرورش پائی۔درباری تعلق نے انھیں انگریزوں سے قریب ترین کر دیا۔مصنف گورنر جنرل لارڈ کارنوالس کا مدح تھا۔ بالخصوص انتظام سازی کے حوالے سے(۶۱)،مصنف کا یہ سفر نامہ انگریزوں کے روایتی رجحانات اور فکری زاویوں کی عکاسی کرتا ہے کہ انگریزوں کا رویّہ ہندوستانیوں اور اپنے وطن کے لوگوں سے کیوں فرق تھا اور اپنے ملک کے باشندوں کے لیے ان کے خیالات کیا تھے۔اس کے علاوہ انگریزوں کی تعمیر و ترقی میں کون سے عوامل کارفرما تھے۔معاشرتی و معاشی تناظر اور دونوں قوموں میں فرق کو جاننے کے لیے انتہائی اہم ماخذ ہے۔

۶۰۔جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن کے زیر اہتمام برطانوی ہندوستان کے گورنرز کی سوانح شایع کی گئی سماجی و معاشرتی زوال کے لیے یہ دستاویزات عصر حیثیت رکھتی ہیں۔جس کی فہرست ذیل میں دی گئی ہے۔

- ولیم ولسن ہنٹر،مترجم،سید محمد احمد،رولز آف انڈیا ماکوئیس آف ڈلہوزی
- ہنری ڈوول،مترجم،مسعود علی،ہند کے حکمران،ڈوپلے اور کلائیو
- جے،پی،مالیسن،مترجم،ابن حسن،ہند کے حکمران،لارڈ کلائیو

- ایل، جے، ٹراٹر، مترجم، ابن حسن، ہند کے حکمران، وارن ہیسٹنگز
- ڈبلیو، ایچ، ہٹن، مترجم محمود شوکت، ہند کے حکمران، مارکوئیس ویلزلی
- ولیم ولسن، ہنٹر، مترجم، سید محمد احمد، ہند کے حکمران، مارکوئیس اوف ڈلہوزی
- سرلیپل گرفن، مترجم، نظیر حسین فاروقی، ہند کے حکمران، رنجیت سنگھ
- ایچ، جی، کین سی، مترجم، سید محمد عبدالسلام، ہند کے حکمران، مادھوجی سندھیا

ہندوستان میں رولز آف انڈیا (ہند کے برطانوی حکمران) کے ضمن میں تاریخی سوانح تحریر کرنے کا سلسلہ شروع کیا گیاان تالیفات کی اہمیت کو دیکھتے ہوئے جامعہ عثمانیہ دکن سے ان کے تراجم شائع کیے گئے۔ یہ زوال کے عصری ماخذ ہیں۔

۶۱۔ داراشکوہ، مترجم، محمدی علی لطفی، ''سفینۃ الاولیاء''

اس تصنیف میں جنوبی ایشیا کے بزرگان دین کا تذکرہ ہے۔ یہ تصنیف حالات زوال کا عصری ملفوظ ہے۔ اس تصنیف میں صوفیاء کرام کی پیدائش تا اموات تمام مراحل کا ذکر ہے (۶۲) اور اس دور کے صوفیاء کرام کے حالات بھی تحریر ہیں۔ مختصراً یہ تحریر دارشکوہ کے مذہبی رجحانات پر بھی روشنی ڈالتی ہے۔ سماجی اعتبار سے اہم دستاویز ہے۔

۶۲۔ داراشکوہ، مترجم، مقبول بیگ بدخشانی، ''سکینۃ اولیاء''

داراشکوہ کی یہ تصنیف صوفیاء کرام اور ان کی تعلیمات پر مشتمل ہے۔ ساتھ ہی داراشکوہ کے مذہبی رجحانات وعقائد پر بھی روشنی ڈالتی ہے۔ نیز صوفیاء کرام اور شاہان وقت کے ساتھ تعلقات کی معلومات بھی فراہم کرتی ہے (۶۳)۔ علاوہ ازیں شہزادے کے صوفیاء کرام کے ساتھ مالی نوعیت کے تعلقات کی مظہر ہے۔ سماجی ومعاشی اور مذہبی دستاویز ہے۔

۶۳۔ شاہ عالم ثانی، مرتبہ، مدحت افزا بخاری، ''عجائب القصص''

تعارف تالیف یہ تالیف شاہ عالم ثانی کی ہے۔ یہ عزیز الدین عالمگیر ثانی کے بیٹے اور شاہ عالم اول کے پوتے تھے۔ اصل نام علی گوہر ہے تاریخ پیدائش ۱۱۴۰ھ، ۱۷۲۸ء ہے ان کی ماں کا نام لال کنور تھا (۶۴)۔ یہ تالیف ایک داستان ہے جو وزیر زادے اور شہزادے کے عشق ومحبت کا قصہ ہے۔ اس کے ساتھ ہی بدلتے ہوئے زمانے کی جھلک ہے۔ اس ضمن میں معاشی ومعاشرتی رجحانات، سمتوں، اور زاویوں کی تبدیلی بھی داستان کے دیگر موضوعات بن جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ داستان دہلی، اور شاہی خاندان سے متصل علاقائی دربار اور بادشاہی صوبائی درباروں کے حالات وسرگرمیاں اور معاشرتی حالات کی معلومات فراہم کرتی ہے۔ اس داستان کا انداز تحریر بوستان خیال سے کافی متاثر ہے جو علامت ہے اس بات کی کہ اس وقت لوگوں کی دلچسپی فارسی داستانوں میں زیادہ تھی۔ داستان میں ثقافتی ماحول کی جھلکیاں بھی پائی جاتی ہیں۔ اس داستان کی اہمیت محقق کے حوالے سے یہ ہے کہ یہ عہد زوال کا عصری غیر تاریخی ماخذ خصوصاً معاشرتی ومعاشی تاریخ کی تحقیق کے تناظر میں ہے۔

۶۴۔عزیز الدین، منشی، ''جوہر عقل''

یہ تصنیف ۱۸۵۷ء تا ۱۸۶۹ء کے درمیان میں تالیف ہوئی۔اس کو لکھنے کا مقصد مذہب کے ایسے واقعات کو عوام تک پہنچانا تھا جو معاشرے میں دیانت داری، ایمانداری اور سچائی جیسی خوبیوں میں اضافہ کریں اور جھوٹ، فریب، دھوکا جیسے عناصر کو کم کرنے کا باعث بنے۔اس اعتبار سے یہ تصنیف پندونصائح سے بھرپور ہے اور زوال کا عصری مآخذ ہے کیونکہ قصص و حکایات پر مشتمل تحریریں، اس وقت معاشرے کی بہت بڑی ضرورت بن جاتی ہیں جب معاشرتی برائیاں عام ہوجائیں۔اس وقت معاشرے میں جعلی پیرفقیر کا رواج بہت زیادہ ہوگیا اس لیے ایسی قصص وحکایات کی ضرورت تھی جو معاشرتی اصلاح کرسکیں۔اس نظریہ کے بنیاد پر اس تالیف میں تنزلی سماج ومعیشت کو علامتی اعتبار سے بیان کیا گیا ہے۔

۶۵۔حکیم شمس اللہ قادری، ''امرائے آصفیہ سید لشکر خان (رکن الدولہ نصیر جنگ)''

شمس اللہ قادری نے یہ تصنیف سید لشکر خان اور اُن کے پوتے نواب رفعت الملک اول وثانی پر تحریر کی۔ اسلوب کے اعتبار سے یہ تصنیف سوانحی تذکرہ ہے۔سید لشکر خان کا ذکر صمصام الدولہ نے مآثر الامراء میں بھی کیا ہے۔بحیثیت دوست کے سید لشکر خان کا اصل نام میر اسمٰعیل ہے۔سید صاحب عارف باللہ خواجہ عزیزاں سید علی (دیوانہ) کی اولاد سے تھے۔صوفی بزرگ شاہ نورالدین سید نعمت اللہ ولی کے ساتھ منسلک تھے۔ان کے اسلاف کا تعلق بلخ سے تھا۔ان کے چچا اورنگزیب عالمگیر کے دور میں ہندوستان آئے جن کا نام سید ہاشم تھا(۶۵)۔میر لشکر خان فوج میں بخشی گیری پر مقرر ہوئے دربار آصف جاہ سے انھیں لشکر خان کا خطاب ملا(۶۶)۔زوال کو جاننے کے لیے علم تاریخ وادب کا اہم ماخذ ہے۔

۶۶۔راجہ نائک راؤ، راجہ وٹھل، ''سندر پرتاب ونت راجہ بہادر''

راجہ نائک راؤ کی تصنیف ایک سوانح ہے۔جس میں انھوں نے اپنے دادا راجا وٹھل رائے کے حالات زندگی کو تحریر کیا جو نظام الملک آصف جاہ ثانی کے عہد میں دکن کے وزیر تھے۔عہد زوال کی سماجی ومعاشی تاریخ کو جاننے کے لیے اہم دستاویز ہے۔

۶۷۔میر حسین علی کرمانی، مترجم شفیع احمد شریف، ''تذکرۃ البلاد والحکام''

یہ تالیف اصل میں فارسی زبان میں تھی۔اسے شفیع احمد شریف نے اردو میں ترجمہ کیا۔اس کتاب کے مصنف میر حسین علی کرمانی نے بحیثیت منشی دربار میسور (حیدر علی اور ٹیپو سلطان) میں خدمات انجام دی (۶۷)۔انھوں نے ہندوستان کے چودہ علاقوں اور حکمرانوں کے بارے میں تحریر کیا (۶۸)۔اس کے علاوہ اس عہد کے شعراء، علمی وادبی شخصیات اور امراء وروساء کا تذکرہ بھی کیا ہے۔سماجی ومعاشی تاریخ کو جاننے کے لیے یہ اہم اصلی ادبی ماخذ ہے۔

۶۸۔ رحمٰن علی خان، ''ریاض الامراء''

یہ تصنیف تذکرہ ہے جس میں مختلف ریاستوں اور وہاں کے حکمران خانوادوں کے حالات و واقعات پر روشنی ڈالی گئی (۶۹)۔ یہ تحقیق کا تاریخی اور غیر تاریخی دونوں اعتبار سے اہم ماخذ ہے۔

۶۹۔ محمد عبد الجبار خان، ''محبوب ذوالمنن اولیائے تذکرہ دکن''

عبد الجبار کی یہ تصنیف ملفوظات پر مبنی ہے جس میں انھوں نے دکن کے ماحول میں رچی ہوئی بزرگان دین اور مشائخین سے لوگوں کی عقیدت اور ان کے تعلقات کے بارے میں معلومات فراہم کی ہیں۔ اس کے علاوہ دکن میں اولیاء کرام اور دیگر مذہبی حلقوں میں جو نظریاتی و فکری رنجش پائی جاتی تھی۔ اس پر بھی روشنی ڈالی ہے اس اعتبار سے یہ تصنیف سماجی و معاشی انتزاعی حالات کے لیے اہم تالیف ہے۔

۷۰۔ مرزا رجب علی بیگ سرور، ''فسانہ عجائب''

مرزا رجب علی بیگ کا تعلق لکھنو سے تھا مصنف نے داستان سلطنت آصفیہ کے جانشین غازی الدین حیدر شاہ کی تعریف و توصیف میں تحریر کی۔ اس کے علاوہ لکھنو کے دربار کی خوشحالی اور ماحول پر روشنی ڈالی ہے۔ مرزا صاحب نے یہ داستان اس لیے رقم کی تاکہ وہ اپنے علاقے کی بود و باش، تمدن معاشرت کو محفوظ کر سکیں۔ داستان میں یہ تمام عناصر گاہے بہ گاہے نظر آتے ہیں ساتھ ہی لکھنو کی صنعت و حرفت کا ذکر بھی ملتا ہے۔ اس داستان کا اہم ترین عنصر یہ ہے کہ انگریزی اثر بھی پایا جاتا ہے۔ داستان کے آخری حصے میں کچھ نام انگریزوں کے ملتے ہیں۔ جو ثبوت اس بات کا کہ جب مصنف نے یہ داستان رقم کی دربار لکھنو میں انگریزی اثر و رسوخ پایا جاتا تھا حالت زوال کی سماجی و معاشی کیفیات، پہلو اور علامتی تناظر میں زاویوں کو جاننے کے لیے عصری ادبی ماخذ ہے۔

۷۱۔ محمد اللہ بخش، ''قصہ خواجہ الیاس''

محمد اللہ بخش نے ملکہ برطانیہ کی شصت (ساٹھ) سالا تقریب جشن پر یہ تحریر بطور تحفہ پیش کی (۷۰)۔ مصنف کی یہ تحریر حالاتِ غدر کو پیش کرتی ہے۔ قصے کے کردار گوپی چند ساہوکار اور خواجہ الیاس (مغل درباری) ہیں۔ خواجہ الیاس کے خاندان کا تعلق مغل بادشاہوں کے ساتھ رہا اس وجہ سے خواجہ الیاس بھی اعلیٰ منصب پر فائز عہدے دار تھے۔ حالات غدر میں انگریزوں اور مقامیوں کی جھڑپوں کے دوران ترک وطن اختیار کیا۔ حالات سازگار ہونے کے بعد واپس آئے تو معلوم ہوا کے تمام اثاثہ ضبط ہو چکا ہے اور انگریزوں کے جانب سے پنشن بھی بند ہو چکی ہے (۷۱)۔ یہ بات ان کے لیے صدمے کا باعث ہوئی۔ اس کے علاوہ فکری اعتبار سے اس سوچ کی عکاسی کرتی ہے کہ مسلمانوں کو زیادہ تر نقصان ہندوؤں کی وجہ سے اٹھانا پڑا۔ جنھوں نے بڑے بڑے عہدے حاصل کر لیے اور انگریزوں کو مسلمان کے خلاف کر دیا۔ مزید دونوں افراد کی گفتگو فکری اعتبار سے یہ بھی ظاہر کرتی ہے کہ دونوں کو ہی اپنی

اپنی قوم کے کیے گئے کاموں پر افسوس تھا۔اس کے علاوہ اس دوران انگریزوں کی جانب سے کلیم کرنے والوں کے ساتھ جو عدالتی زیادتی کی گئی اور نیلامی میں جو ناانصافی روا رکھی گئی اس پر بھی روشنی ڈالتی ہے(۷۲)۔لہٰذا یہ متن سماجی خصوصاً معاشی تنزلی کے آئینے میں علم تاریخ کا اہم ترین ادبی ماخذ بن جاتا ہے۔

۷۲۔مصنف ندارد،''سفرنامہ(مطبوعہ)''

یہ ایک مطبوعہ سفرنامہ ہے جو انجمن ترقی اردو کے کتب خانہ میں موجود ہے۔اس کا سرنامہ عنوان اور تفصیلات کے صفحات نہیں ہیں جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ یہ کس کی تحریر ہے؟(صرف اولین صفحے پر پین سے ۱۸۵۱ء اور سفرنامہ مطبوعہ تحریر ہے)۔اس اعتبار سے تنزلی معاشرہ ومعیشت کا عصری ماخذ ہے۔خصوصاً اس وقت جوریاستوں میں ابتری اور طوائف الملوکی پھیلی ہوئی تھی۔اس کے علاوہ انگریزوں کی جانب سے لارڈ ڈلہوزی کی پالیسی پر عمل کرتے ہوئے ''الحاق ریاست پالیسی'' پر جو کام کیا جارہا تھا۔ان حالات سے آگاہی فراہم کرتی ہے۔انداز تحریر سے اندازا ہوتا ہے کہ اس کا ابتدائی حصہ پنجاب کے شہروں اور علاقوں سے متعلق ہے۔مزید اس میں سرچارلس مٹکاف اور جرنیل اوکٹر نونی کا فوج کے ساتھ لدھیانہ، انبالہ میں داخل ہونے کا ذکر ہے۔اس کے علاوہ اس عہدنامے کا ذکر ہے جو مہاراجہ پٹیالہ، راج ناتھ، راجا جنید، نواب مالیر، کوٹلہ، نواب ممدوٹ، رانی رنی کوٹ، فریدکوٹ، سردار سولہا سنگھ کلبہ سے ہوا کہ ان کے مرجانے کے بعد یہ علاقے برطانوی حکومت کا حصہ بن جائیں گے۔تحریر کے اعتبار سے یہ ایک حکومتی دستاویز محسوس ہوتی ہے بہرحال حالات زوال کا اہم ترین ماخذ ہے۔

۷۳۔یوسف خان کمبل پوش،''تاریخِ یوسفی''

یوسف خان کمبل پوش کے تحریریں بھی حالات زوال کی تصویر فراہم کرتی ہیں ان میں تاریخِ یوسفی (عجائبات فرنگ) اور سیر ملک اودھ اہم تصانیف ہیں۔یوسف خان کمبل پوش کپتان میگنس صاحب کے فوجی دستے کے سپاہ سالار اور صوبے دار تھے(۷۳)۔اس دوران اودھ کے مختلف حالات دیکھے اور انھیں سفرنامے کی صورت میں رقم کیا۔مصنف نے عہد واجد علی شاہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا مصنف نے تاریخ یوسفی اور ملک سیر اودھ کے نام سے سفرنامہ تحریر کیا۔ایک اندازہ ہے کہ تاریخ یوسفی پہلے فارسی میں اور بعد میں اردو میں منتقل کی گئی۔تاریخ یوسفی عجائبات فرنگ کے نام سے مشہور ہوئی جو ۱۸۴۷ء میں تحریر ہوئی تھی۔تاریخ یوسفی میں سفرنامہ نگار نے اپنے نام کو مختلف ناموں سے تحریر کیا ہے۔مثال کے طور پر یوسف حلیم، یوسف سلیمانی اور یوسف خان کے نام ہیں۔

۷۴۔نجیبہ عارف،''سیر ملک اودھ، یوسف خان کمبل پوش کا نادر وغیر مطبوعہ سفرنامہ ۱۸۴۷''

یوسف خان کمبل پوش ایک شاعر اور مصنف گزرے، وہ خواجہ حیدر علی آتش کے شاگرد تھے(۷۴)۔سیر ملک اودھ ان کا سفرنامہ ہے جو انھوں نے ۱۸۴۸ء میں تحریر کیا مگر اسے ڈاکٹر نجیبہ عارف نے ۲۰۱۷ میں مرتب کر کے شائع

کروایا۔تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ سرکاری فرائض کو انجام دیتے ہوئے کمبل پوش نے اودھ کے حالات کا مشاہد بڑی گہرائی سے کیا اور اس بناء پر وہاں کی معاشی ومعاشرتی حالات کی ابتری اور امن وامان کی خراب صورت حال بیان کیں۔ چور، ڈاکوں اور لٹیرے مختلف علاقوں میں پھیلے ہوئے تھے۔جس کی وجہ سے رعایا پریشان ہوگئی تھی۔مذہبی عقائد اور اخلاقی زبوں حالی تھی نیز حکمرانوں کے مختلف علاقوں کے دوروں کی صورت میں روپیہ صرف کیا جاتا تھا۔اس کی وجہ سے معاشی ابتری بڑھتی جارہی تھی۔قوانین اور تعزیرات کی عملی شکل نظر نہیں آتی تھی (۷۵)،جبر واستحصال کا یہ حال تھا کہ زمیندار اور دوسرے بااختیار اشخاص غریب ہاریوں اور مزدوروں سے پیسوں کی وصولیاں بھی زبردستی کرتے نیز رقم کو حاصل کرنے کے لیے ان کی عزتوں اور گھر کی خواتین کی بے حرمتی کرتے تھے۔اس طرح بہت سے حالات کمبل پوش نے رقم کیے۔اس معاشی ومعاشرتی ابتری کے درمیان جوفکری زاویہ جدیدیت کی جانب مائل تھا،جس نے ہندوستانیوں کو جدید علوم اور عملی سائنس سے واقفیت عطا کی تھی اس کو بھی بیان کیا۔یہ تصنیف سماجی ومعاشی زوال پر کام کرنے والے طالب علم کی اہم ضرورت ہے۔

۷۵۔''موتی مدعی بنولا مدعا علیہ''

یہ تحریر ۱۸۹۵ء غدر سے تقریباً چالیس سال کے اندر تحریر ہوئی عام طور پر اس تحریر کا موضوع بنولے اور موتی کی گفتگو ہے مگر باغور گہرائی سے اس کی جانچ کی جائے تو اصل میں مقامی ریاستوں حکومتوں اور خود شہنشاہ دہلی کا جورویہ طبقہ ادنیٰ کے ساتھ تھا۔اُسے پیش کیا گیا(۷۶)۔اس کے بعد حکمران انگریز بن گئے تو ان کے غرور اور تکبر پر روشنی ڈالی گئی ہے۔علامتی اعتبار سے حالاتِ زوال کو بیان کیا گیا ہے۔مزید اس تصنیف کی اہمیت یہ ہے کہ انگریزوں کے مالی اداروں پر تصرف حاصل کرنے کی وجہ سے معاشرے جو طبقاتی فرق پیدا ہورہا تھا۔اسے نمایاں کیا گیا(۷۷)۔

۷۶۔مفتی تاج الدین،مترجم،عبداللہ،''اخلاق ہندی''

اس تصنیف کو ۱۸۰۲ء میں جان گلکرائسٹ نے اردو زبان میں ترجمہ کروایا۔یہ تصنیف صوبہ بہار کے نواب شاہ نصیرالدین کے پاس پہنچی۔ان کو یہ معلوم ہوا کہ یہ ایسی قصص وحکایت پر مبنی دستاویز ہے جو انسان کی اصلاح کرتے ہیں۔یہ تصنیف چھوٹی چھوٹی کہانیوں پر مبنی ہے۔زوال مغلیہ کے عہد میں معاشرتی انتشار عروج پر تھا،اخلاقی ومذہبی اقدار ختم ہورہی تھیں نیز بعد از ۱۸۵۷ء انگریز حکمرانوں کو بھی انگریز عہدے داران کی خرابیاں معلوم ہورہی تھیں۔اس وجہ سے ایسے ادب کی ضرورت تھی۔جس میں پند ونصائح پر مبنی حکایات ہوں۔یہ تصنیف بھی علامتی حیثیت سے زوال کو پیش کرتی ہے۔اس کے علاوہ نفسیاتی وروایاتی رجحانات کو بھی ظاہر کرتی ہے۔تحقیق میں شامل تصنیف اس فکر کی علامت ہے۔جن کے لیے انگریزوں سے وابستہ ہر چیز اور کام غلط تھا۔کیونکہ ایسے افراد انگریزوں سے وابستہ ہر چیز اور کام غلط تھا۔کیونکہ ایسے افراد انگریزوں کی مقامیوں کے ساتھ دوستی کو بالکل ایسے ہی دیکھتے تھے۔جیسے اس تصنیف میں گدھ اور بلی اور ہرن وگیدڑ کی تھی جو موقع کی تلاش میں رہتے اور موقع ملتے ہی وار کرتے تھے۔

۷۷۔میر باقر علی خان دہلوی، ''خلیل خان فاختہ''

میر باقر علی خان دہلی کے آخری داستان گو حلقے میں شمار کیے جاتے تھے۔مصنف ۱۸۵۰ء میں دہلی پیدا ہوئے ۱۹۲۸ء میں وفات پائی۔ میر صاحب کا آبائی وطن ایران اور رہائشی وطن ہندوستان تھا۔ان کے والد میر حسن علی اور نانا میر امیر علی شاہان دہلی کے ہاں خدمت پر مامور تھے۔اپنے والد کے بعد دہلی ترکمان دروازے اپنے نانا کے ہاں پرورش پائی (۷۸)۔ میر صاحب کے ماموں میر کاظم علی نظام حیدرآباد کے داستان گو تھے۔بچپن سے درباری زندگی اور قلعے سے واقفیت رہی۔ ۱۸۵۷ء میں میر باقر علی خان ۷،۸ سال کی تھی۔انھوں نے نانا اور ماں کے ساتھ علی گنج کے مقام پر پناہ حاصل کی۔ میر باقر علی خان شاہی محلات کی چہل پہل، بود و باش غرض کہ ہر انداز شاہانہ اپنی آنکھوں سے دیکھا اور داستان گوئی کا فن اپنے ماموں سے سیکھا،خصوصاً داستان گوئی کو طویل داستان کے پیرائے سے نکال کر مختصر داستان کا انداز عطا کیا۔ ان کی تحریروں میں بلبل بوستان، معانی معدن، شیریں زبانی، ناز بلیغ الکلامی، بادشاہ کا ہاتھی، خلیل خان فاختہ اور گاڑھے خان نے ململ جان کو طلاق دے دی شامل ہیں (۷۹)۔زوال کے پس منظر میں یہ تصانیف اس عہد کی عصری غیر تاریخی دستاویز ہیں۔سید صغیر حسین صاحب جو میر صاحب کے داماد تھے۔انھوں نے اس فن کو زندہ رکھنے کے لیے گراں قدر کاوش کی کے مہاراجہ پٹیالا کے ہاں داستان سنانے گئے تو شام اودھ اور صبح بنارس کا حال سنا آئے۔ یہ داستان شروع سے آخر تک معاشرتی و معاشی زوال کا عکس ہے۔جس میں ایک دوسرے سے حسد، اتحاد کی کمی اور اس وقت معاشرے میں رائج دھوکہ دہی اور فریب اور رویوں کے اتار چڑھاؤ کے ساتھ غیر مہذب عادات واطوار کو جس خوبصورت انداز میں پیش کیا گیا اس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔

۷۸۔مرزا باقر علی خان دہلوی، '' گاڑھے خان نے ململ جان کو طلاق دیدی''

یہ تصنیف مغل شہنشائیت اور انگریزوں کی آمد پر پس پردہ اور بین السطور روشنی ڈالتی ہے۔گاڑھے خان ایک فرضی کردار ہے مگر یہ کردار اصل میں شہنشاہ کے مماثل ہے۔جبکہ ان کے مقابلے میں ''ململ جان'' اصل میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی تصویر ہے (۸۰)۔جو تجارت، معاش اور اقتصادیات کی ترقی کے لیے اپنا وطن چھوڑ کر نکلے،غرض کہ ہندوستان میں آکر یہاں کی بود و باش،خوشحالی اور دیگر زرایع معیشت کو دیکھ کر ان کی آنکھیں خیراں ہوگئیں۔تحقیق میں شامل اس داستان میں کپڑوں کے نام سے مقامی ہندوستانیوں اور انگریزوں کی پہچان کرائی گئی ہے۔اس کے علاوہ کپڑے کی صنعت کی تباہی کی وجہ سے نیز جدید چرخے سوت کاتنے آجانے کی بدولت مقامی کھڈیاں بند ہونے سے اور مشینوں پر کام ہونے کی وجہ سے بیروزگاری عام ہوگئی (۸۱)۔اس اعتبار سے معاشی زوال کا یہ بہت ہی اہم غیر تاریخی دستاویز ہے۔

۷۹۔شنکر راؤ، مترجم، ’’سوانح حیات میر تراب علی سر سالار جنگ‘‘

’’سوانح حیات میر تراب علی سر سالار جنگ‘‘ کو تلنگی زبان میں وشوا ناتھ شرما نے تحریر کیا(۸۲)۔شنکر راؤ نے اس کو اردو میں ترجمہ کیا۔ یہ ریاست اودھ کے وزیر کی سوانح ہے۔شنکر راؤ صاحب پرگنہ دوندگل کے دیش مکھ اور دیش پانڈے تھے۔تراب علی خان سالار جنگ کا اصل نام محمد علی خان تھا۔ یہ نواب شجاع الدولہ کے صاحبزادے تھے، ۱۸۲۹ء میں پیدا ہوئے(۸۳)۔اس لحاظ سے زوال کے عہد کا عصری ماخذ ہے۔

۸۰۔منشی محمد جعفر تھانیسری، ’’تواریخ عجیب‘‘

تواریخ عجیب سید احمد شہید کی سوانح ہے۔اس تصنیف میں سید احمد شہید کی تحریک اور اس کے مقاصد کا جائزہ لیا گیا ہے۔اس وقت ہندوستان میں مختلف مذاہب اور مکتبہ فکر کے مسلمان آباد تھے اور سید احمد کی تحریک کا پس منظر ہندوستان میں احیائے اسلام تھا۔اس لیے انھوں نے پنجاب پر فوج کشی کی اور اپنے مقاصد کے حصول کے لیے کابل اور خراسان سے سفارتی تعلقات بحال کیے(۸۴)۔تحریر سے ثابت ہوتا ہے کہ سید احمد کی یہ تحریک ناکام ہوئی اور معاشرہ پر اس کے منفی اثرات مرتب ہوئے۔

۸۱۔محمد عمر خان وحشی، ’’انوار سہیلی‘‘

انوار سہیلی پندونصاح پر مبنی تالیف ہے۔اس کے مترجم عمر علی خان وحشی تھے۔اس کو بھی فارسی سے ترجمہ کیا گیا۔اس تالیف میں ایسی حکایات کا احاطہ کیا گیا جو انسانی عقل کو بڑھانے کا کام کرتی ہیں اور معاشرے سے جھوٹ، فریب اور دیگر جرائم کی بڑھتی ہوئی شرح کو روک سکتی ہیں(۸۵)۔بعد از ۱۸۵۷ء ہندوستان پر ملکہ وکٹوریا کی حکومت تھی۔جس کی وجہ سے برطانیہ مقبوضات میں تعلیم کا رواج عام ہو گیا تھا۔اس کے منفی و مثبت پہلوؤں سے سماج متاثر تھا۔اس تصنیف میں بعض واقعات اور حکایات دوسرے ممالک کی ہیں۔مگر ان کا ماحول ہندوستانی ہیں جو ہندوستانی اقدار اور ثقافت کی عکاسی کرتا ہے۔اس کے علاوہ ان پندونصاح سے بھرپور تحریروں میں ہندوستانی خانقاہی نظام کا عکس بھی واضح محسوس ہوتا ہے جو عہد وسطیٰ کے سماج کا اہم حصّہ تھے۔

۸۲۔عبدالرحمٰن، ’’بحر دانش‘‘

یہ تصنیف قصص و حکایت کے ضمن میں لکھی گئی اس میں ایک چینی قصے کو ہندوستانی تنزل کی علامت کے طور پر تحریر کیا گیا تاکہ انسان دوست نما دشمنوں کو پہچان سکے کیونکہ قصے کا بنیادی جز دو دوستوں کی دوستی ہے۔جس میں ایک دوست کی جانب سے مسلسل فریب اور دھوکہ دیا جا رہا تھا۔اصل میں اس میں علامتی اعتبار سے ہندوستانیوں اور انگریزوں کے تعلقات پیش کیے گئے۔اس کے علاوہ ہندوستانی معاشرتی ماحول میں بکھری ہوئی بے راہ روی بھی ظاہر

کی گئی۔ نیز حسد وجلن کی وجہ سے ہونے والی تباہی کو بھی اجاگر کیا گیا۔

غرض یہ کہ تاریخی اور غیر تاریخی ماخذات ہماری ادبی نشوونما اور تاریخی شعور میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ ان کی اہمیت گزرتے وقت کے ساتھ بڑھتی جارہی ہے۔ ان مآخذ سے نہ صرف ہم اس عہد کے ادبی، معاشی اور معاشرتی ماحول کا جائزہ لیتے ہیں بلکہ انسانی رویوں پر بھی نظر ڈال سکتے ہیں۔ یہ ہر گزرتے دور میں انسانی شعور کی عکاسی کرتے ہیں اور ہماری علمی وادبی تربیت کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔

حواشی:

(۱) سیّد محمد علی خاں، تفضل حسین خان، (حیدرآباد دکن: فیض الکریم پریس، ۱۳۳۹ھ)، ص ۶۔

(۲) ڈبلیو۔ ایس، سٹین کار، مترجم: محمد عبدالستار، ہند کے حکمران (مارکوئیس کارنو الس)، (حیدرآباد: سرکاری پریس، ۱۹۳۲ء)، ص ۱۷۔

(۳) عبدالاحد رابط، مترجم: محمود احمد عباسی، وقایع دلپذیر بادشاہ بیگم اودھ، (کراچی: مکتبہ محمد، سن ندارد)، ص ۴۰، ۵۔

(۴) ایضاً، ص ۵۰۔

(۵) میر محمود علی، آصف جاہ ثانی، (حیدرآباد دکن: اعظم پریس، ۱۹۲۸ء)، ص ۲۰۔

(۶) سجاد علی زاہد، سر سالار جنگ، (حیدرآباد: چشمی القادری پریس، سن ندارد)، ص ۶۰۔

(۷) محمد امین زبیری مارہروی، بیگمات بھوپال، (بیگمات بھوپال)، حصہ اول و دوم (لکھنؤ: دائرہ ادبیہ، ۱۹۱۸ء)، ص ۳۹

(۸) شہر بانو بیگم، معین الدین عقیل (مرتبہ)، بیتی کہانی، (حیدرآباد: ادارۂ علمی، ۱۹۹۵ء)، ص ۸ تا ۱۳۔

(۹) ایضاً، ص ۵۸۔

(۱۰) ایضاً، ص ۴۴۔

(۱۱) ایضاً، ص ۶۲۔

(۱۲) واجد علی شاہ، مترجم: تحسین سروری، پری خانہ، (کراچی: مکتبۂ نیاز راہی، ۱۹۵۸ء)، ص ۱۳۔

(۱۳) ایضاً، ص ۱۳۷ تا ۱۴۲۔

(۱۴) اسداللہ خاں غالب، مرزا، مترجم: خواجہ حسن نظامی، دستنبو، (دہلی: کارکن خواجہ ڈپو، ۱۹۲۱ء)، ص ۵۔

(۱۵) ایضاً، ص ۵۔

(۱۶) ایضاً، ص ۶۔

(۱۷) ایضاً، ص ۶۔

(۱۸) محب حسین، امیر علی ٹھگ، (مطبوعہ، پبلشر ندارد، ۱۸۸۸ء)، ص ۳۔

(۱۹) سید احمد خان، اسباب بغاوت ہند (علی گڑھ: علی گڑھ یونی ورسٹی پبلشرز، ۱۹۵۸ء)، ص ۵۔

(۲۰) ایضاً، ص ۴۲ تا ۴۵۔

(۲۱) ایضاً،مولوی سید اقبال، سفرنامہ پنجاب،(لاہور:مجلس ترقی ادب،۱۹۷۳ء)،ص۲۲۔
(۲۲) ایضاً،ص ۲۳۔
(۲۳) ایضاً،مسافرانِ لندن،(لاہور:مجلس ترقی ادب،۲۰۰۹ء)،ص۸،۹۔
(۲۴) تانیتابھیل،ڈاکو ،(لاہور:کارپردازان اردوخبار،سن ندارد)،ص۱۰۔
(۲۵) ایضاً،ص۱۰،۱۱۔
(۲۶) غلام صمدانی خاں گوہر،حیات ماہ لقا،(حیدرآباد:نظام المطابع،۱۹۰۶ء)،ص ۳،۴۔
(۲۷) ظہیرالدین حسین ظہیر دہلوی،داستان غدر ،(طاہر نبیرہ آزاد پریس،شہروسن ندارد)،ص ۳۔
(۲۸) ایضاً،ص ۷۔
(۲۹) ایضاً،ص۱۱۔
(۳۰) جی،ایف،ٹی،لیدر،آرہ کے خطوط،(پٹنہ:خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری،۲۰۱۱ء)،ص۲۱۔
(۳۱) ایضاً،ص۸ تا۱۱۔
(۳۲) ولیم رووا روس،مترجم:مولوی نذیر احمد،مصائب غدر ،(لکھنؤ:نول کشور،۱۸۹۶ء)،ص۱۔
(۳۳) شاد عظیم آبادی،پیر علی،(پٹنہ:خدابخش لائبریری،۱۹۹۳ء)،ص ۳۔
(۳۴) مرزا محمد ہادی رسوا،امراؤجان ادا،(لاہور:مجلس ترقی ادب،۱۹۶۳ء)،ص تعارف و۔
(۳۵) ایضاً،لیلیٰ مجنوں، ص ۴۲۔
(۳۶) ایضاً،ص ۲۔
(۳۷) ایضاً،ص۸۔
(۳۸) ایضاً، ذات شریف،(لکھنؤ:مہادیو پرشاد،سن ندارد)،ص ۵۔
(۳۹) ایضاً،امراؤجان ادا،(لاہور:مجلس ترقی ادب،۱۹۶۳ء)،ص ۴۳ تا۵۵۔
(۴۰) ایضاً،شریف زادہ ،(کراچی:اُردو اکیڈمی سندھ،سن ندارد)،ص ۲۳ تا۳۱۔
(۴۱) عزیزالدین احمد گڈھوال،ثمرہ دیانت،(شہروپبلشر ندارد،۱۸۹۱ء)،ص ۲۔
(۴۲) ایضاً،ص۱۔
(۴۳) ایضاً،ص۱،۲۔
(۴۴) احسن اللہ خاں،حکیم، قصہ ممتاز با تصویر،(دہلی:برقی پریس،سن ندارد)،ص ۳۔
(۴۵) نذیر احمد،ڈپٹی،مولوی،ابن الوقت،(دہلی:ہلالی پریس،۱۹۱۵ء)،ص ۵۔
(۴۶) ایضاً،ص ۳۲ تا۵۹۔
(۴۷) ایضاً،توبۃ النصوح،(دہلی:جید پریس،۱۹۲۸ء)،ص ۲۵۷۔
(۴۸) مسز ہوتست خانم،مترجم:سید ظفر حسن،مولوی،ایامِ غدر ،(لاہور:دارالاشاعت،۱۹۲۳ء)،ص ۳۔
(۴۹) ایضاً،ص۱۷۲۔

(۵۰) خواجہ حسن نظامی، غدر دہلی کے افسانے، بیگمات کے آنسو، (لاہور: بیکن ہاؤس، ۲۰۰۷ء)، ص ا تا ۳۔

(۵۱) ایضاً، غدر دہلی کے افسانے، انگریزوں کی بپتا، حصہ دوم (دہلی: کارکن حلقہ مشائخ، ۱۹۲۲ء)، ص ا تا ۶۴۔

(۵۲) ایضاً، غدر دہلی کے افسانے، بہادر شاہ کا مقدمہ، حصہ چہارم (دہلی: دلی پرنٹنگ ورکس، ۱۹۲۳ء)، ص ا۔

(۵۳) ایضاً، ص ا، ۲۔

(۵۴) عیسوی خان بہادر (مرتبہ)، قصہ مہر افروز دلبر، (حیدر آباد دکن: ترقی اُردو بیورو، ۱۹۸۸ء)، ص ۲، ۳۔

(۵۵) ایضاً، ص ۹۔

(۵۶) ایضاً، ص ۲۔ ۵۸ تا ۶۷ ۳۔

(۵۷) کرم علی، مترجم: سید یوسف رضوی، حکیم، مظفر نامہ، (پٹنہ: خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، ۱۹۹۸ء)، ص ۲۳۶، ۳۷۔

(۵۸) مرزا ابو طالب اصفہانی، مترجم: ثروت علی، ڈاکٹر، تاریخ آصفی، (نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغِ اُردو زبان، ۲۰۰۱ء)، ص ۱۶۔

(۵۹) ایضاً، ص ۱۵۔

(۶۰) ایضاً، ص ۸۔

(۶۱) ایضاً، سفر نامہ فرہنگ، (لاہور: فکشن ہاؤس، ۱۹۹۹ء)، ص ۱۵، ۱۶۔

(۶۲) داراشکوہ، مترجم: محمدی علی لطفی، سفینۃ الاولیٰ، (کراچی: نفیس اکیڈمی، ۱۹۶۱ء)، ص ۱۷۔

(۶۳) ایضاً، مترجم: مقبول بیگ بدخشانی، سکینۃ الاولیٰ، (لاہور: پیکجز لمیٹڈ، ۱۹۷۱ء)، ص ۱۳ تا ۱۸۔

(۶۴) شاہ عالم ثانی، مرتبہ: مدحت افزا بخاری، عجائب القصص، (لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۵ء)، ۱۲، ۱۳۔

(۶۵) حکیم شمس اللہ قادری، امرائے آصفیہ سید لشکر خان (دکن الدولہ نصیر جنگ)، (حیدر آباد دکن: مطبع برنی اعظم جاہی، ۱۹۳۹ء)، ص ۳۔

(۶۶) ایضاً، ص ۴۔

(۶۷) میر حسین علی کرمانی، مترجم: شفیع احمد شریف، تذکرۃ البلاد والحکام، (نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ۲۰۰۱ء)، ص ۱۰۔

(۶۸) ایضاً، ص ۷۔

(۶۹) رحمٰن علی خان، ریاض الامراء، (لکھنؤ: نول کشور، ۱۸۶۹ء)، ص ۲ تا ۸۔

(۷۰) محمد اللہ بخش، قصہ خواجہ الیاس، (دہلی: مطبع رضوی، ۱۸۹۷ء)، ص ۲۔

(۷۱) ایضاً، ص ۵ تا ۹۔

(۷۲) ایضاً، ص ۱۳ تا ۱۶۔

(۷۳) یوسف خان کمبل پوش، تاریخ یوسفی، (لکھنؤ: منشی نول کشور، ۱۸۷۳ء)، ص ۵۔

(۷۴) نجیبہ عارف، سیر ملک اودھ، یوسف خان کمبل پوش کا نادر و غیر مطبوعہ سفر نامہ ۱۸۴۷ء (لاہور: پاکستان رائیٹرز کوآپریٹو سوسائٹی، ۲۰۱۷ء)، ص ۲۲۔

(۷۵) ایضاً، ص ۳۴، ۳۵۔

(۷۶) موتی مدعی بنو لا مدعا علیہ، (لکھنؤ، نول کشور، ۱۸۹۵ء)، ص ا تا ۳۔

(۷۷) ایضاً، ص ۷ تا ۲۱۔

(۷۸) میر باقر علی خان دہلوی، خلیل خان فاختہ، (کراچی: انجمن پریس، ۱۹۶۰ء) ص ۱۹۔

(۷۹) ایضاً ص ۲۰ تا ۲۳۔

(۸۰) ایضاً، گاڑھے خان نے ململ جان کو طلاق دے دی، (دہلی: چھتر سال، ۱۹۲۲ء) ص ۲۔

(۸۱) ایضاً، ایضاً ص ۳ تا ۲۱۔

(۸۲) شنکر راؤ (مترجم)، سوانح حیات میر تراب علی سر سالار جنگ، (حیدر آباد دکن: تاج پریس، سن ندارد) ص ۱۔

(۸۳) ایضاً ص ۲، ۳

(۸۴) محمد جعفر تھانیسری، منشی، تواریخ عجیب، (حیدر آباد دکن: جامعہ عثمانیہ، ۱۳۰۹ھ) ص ۱۲۵ تا ۱۴۵

(۸۵) محمد عمر خان وحشی، انوار سہیلی، (میرٹھ: گلزار محمدی پریس، ۱۸۹۳ء) ص ۴

تعلیقات

☆۱۔ ۱۷۶۵ء میں انگریزوں نے بنگال کی دیوانی حاصل کی تو انھیں ہندوستان میں مالگزاری سے متعلق کافی دشواریاں پیش آئیں۔ انھی مشکلات پر قابو پانے کے لیے ایک محکمہ مجلسِ مال کا قائم کیا گیا۔ اس محکمے میں ''پہلے مجلسِ اعلیٰ کے صدر کی حیثیت سے اور بعد کو بہ حیثیت گورنر جنرل لارڈ کارنوالس ایک رکن مقرر ہوا۔

☆۲۔ ظہور الحسن صاحب نے یہ تفصیل کتاب کے صفحۂ عنوان پر درج کی ہے۔

مآخذ:

۱۔ طالب، محمد سراج الدین، میر عالم، حیدر آباد دکن: شمس الاسلام پریس، ۱۹۲۰ء۔

۳۔ سٹین کار، ڈبلیو۔ ایس، مترجم: محمد عبدالستار، ہند کے حکمران، (مارکوئیس کارنوالس)، حیدر آباد: سرکاری پریس، ۱۹۳۲ء۔

۴۔ برلاس، مرزا علی اظہر، واجد علی شاہ، کراچی: سہ ماہی اُردو، ۱۹۶۸ء۔

۵۔ رابط، عبدالاحد، مترجم: محمود احمد عباسی، وقایع دلپذیر بادشاہ بیگم اودھ، کراچی: مکتبہ محمد، سن ندارد۔

۶۔ علی، میر محمود، آصف جاہ ثانی، حیدر آباد دکن: اعظم پریس، ۱۹۲۸ء۔

۷۔ زاہد، سجاد علی، سر سالار جنگ، حیدر آباد: چشتی القادری پریس، سن ندارد۔

۸۔ بخش، محمد رحیم، ظہور الحسن (مرتبہ)، بیگمات خاندان تیموریہ، (حصہ اوّل۔ دوم)، دہلی: قومی پریس، ۱۹۲۷ء۔

۹۔ خان، ذوالقدر درگاہ قلی، نواب (مترجم)، سید مظفر حسین، مرقع دہلی، مطبوعہ، تفصیلات ندارد۔

۱۰۔ گیلانی، محمد اولاد، سیّد، اولیاء ملتان، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۳۸ء۔

۱۱۔ زبیری، محمد امین، مارہروی، بیگمات بھوپال، حصہ اول ودوم، لکھنؤ: دائرہ ادبیہ، ۱۹۱۸ء۔

۱۲۔ بیگم، شہر بانو، معین الدین عقیل (مرتبہ)، بیتی کہانی، حیدر آباد: ادارۂ علمی، ۱۹۹۵ء۔

۱۳۔ شاہ، واجد علی، مترجم: تحسین سروری، پری خانہ، کراچی: مکتبۂ نیاز راہی، ۱۹۵۸ء۔

۱۴۔ خداداد بیگ دہلوی، مرزا، بے بدل درگاہ سپہ سالارم، حیدر آباد دکن: عہد آخریں پریس، ۱۸۸۶ء۔

۱۵۔ موسیو تھیونو، مترجم: سید علی بلگرامی، سلسلہ آصفیہ، تاریخ دکن، جلد دوم، آگرہ: مفید عام پریس، ۱۸۹۷ء۔

۱۶۔ ٹیورنیر، جین بیپٹسٹ، مترجم: سید علی بلگرامی، سلسلہ آصفیہ تاریخ دکن، جلد اول، آگرہ: مفید عام پریس، ۱۸۹۶ء۔

۱۷۔ برکاتی، محمود احمد، حکیم، فضل حق خیر آبادی اور سن ستاون، کراچی: برکات اکیڈمی، ۱۹۷۵ء۔

۱۸۔ غالب، اسد اللہ خاں، مرزا، مترجم: خواجہ حسن نظامی، دستنبو، دہلی: کارکن خواجہ ڈپو، ۱۹۲۱ء۔

۱۹۔ ____ایضاً____، مرزا، خلیق انجم (مرتبہ)، خطوطِ غالب، جلد اوّل تا سوم، کراچی: انجمن ترقیِ اردو پاکستان، ۱۹۸۹ء۔

۲۰۔ محب حسین، امیر علی ٹھگ، مطبوعہ، پبلشر ندارد، ۱۸۸۸ء۔

۲۱۔ خان سید احمد، سر، اسباب بغاوت ہند، علی گڑھ: علی گڑھ یونی ورسٹی پبلشرز، ۱۹۵۸ء۔

۲۲۔ ____ایضاً____، وحید الدین سلیم، مولوی، مرتبہ، سر سید کے خطوط، تفصیلات ندارد۔

۲۳۔ ____ایضاً____، مولوی سید اقبال، سفر نامہ پنجاب، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۷۳ء۔

۲۴۔ ____ایضاً____، مسافرانِ لندن، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۲۰۰۹ء۔

۲۵۔ حسن، محمد، ضیائے اختر، لکھنؤ: نول کشور، ۱۸۷۸ء۔

۲۶۔ لال، کنہیا، تاریخ بغاوت ہند ۱۸۵۷ء، کانپور: نول کشور، ۱۸۹۶ء۔

۲۷۔ بھیل، تانیتا، ڈاکو، لاہور: کارپردازان اردو خبار، سن ندارد۔

۲۸۔ گوہر، غلام صمدانی خاں، حیات ماہ لقا، حیدر آباد: نظام المطابع، ۱۹۰۶ء۔

۲۹۔ ظہیر، ظہیر الدین حسین، ہلوی، داستان غدر، طاہر نبیرہ آزاد پریس، شہر و سن ندارد۔

۳۰۔ لیدر، جی، ایف، ٹی، مترجم: اسرار الحسن، ۱۸۵۷ء میں آرہ کے دو ماہ، پٹنہ: خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، ۲۰۱۱ء۔

۳۱۔ رووا روس، ولیم، مترجم: مولوی نذیر احمد، مصائب غدر، لکھنؤ: نول کشور، ۱۸۹۶ء۔

۳۲۔ شاد عظیم آبادی، پیر علی، پٹنہ: خدا بخش لائبریری، ۱۹۹۳ء۔

۳۳۔ مصنف ندارد، سفر نامہ (مطبوعہ)

۳۴۔ خیال، میر تقی، بوستان خیال، لکھنؤ: نول کشور، سن ندارد۔

۳۵۔ رسوا، محمد ہادی، مرزا، لیلیٰ مجنوں، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۳ء۔

۳۶۔ ____ایضاً____، ذات شریف، لکھنؤ: مہادیو پرشاد، سن ندارد۔

۳۷۔ ____ایضاً____، امراؤ جان ادا، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۳ء۔

۳۸۔ ____ایضاً____، شریف زادہ، کراچی: اُردو اکیڈمی سندھ، سن ندارد۔

۳۹۔ احمد، عزیز الدین، گڈھوال، ثمرہ دیانت، شہر و پبلشر ندارد، ۱۸۹۱ء۔

۴۰۔ خاں، احسن اللہ، حکیم، قصہ ممتاز با تصویر، دہلی: برقی پریس، سن ندارد۔

۴۱۔ علی، مرزا، گلشن ہندی، لاہور: رفاہ عام اسٹیم پریس، ۱۹۰۹ء۔

۴۲۔ احمد، نذیر، ڈپٹی، مولوی، مراۃ العروس، دہلی: مجتبائی پریس، ۱۸۶۹ء۔

۴۳۔ ____ایضاً____، ابن الوقت، دہلی: ہلالی پریس، ۱۹۱۵ء۔

۴۴۔ ____ایضاً____، بنات النعش، دہلی: علیمی پریس، ۱۹۴۶ء۔

۴۵۔ ____ایضاً____، فسانۂ مبتلا، کراچی: انجمن پریس، ۱۹۶۱ء۔

۴۶۔ ____ایضاً____،توبۃالنصوح،دہلی: جید پریس،۱۹۲۸ء۔
۴۷۔ سرجن،مکند لعل،تاریخِ بغاوتِ ہند،آگرہ: مفید خلائق پریس،۱۸۵۹ء۔
۴۸۔ خانم،مسز ہوتست،مترجم: سید ظفر حسن،مولوی،ایامِ غدر،لاہور: دارالاشاعت، ۱۹۲۳ء۔
۴۹۔ نظامی،حسن،خواجہ، غدر دہلی کے افسانے،بیگمات کے آنسو،لاہور: بیکن ہاؤس، ۲۰۰۷ء۔
۵۰۔ ____ایضاً____،دلی کی جان کنی،آٹھواں حصہ،اشاعت چہارم،دہلی: پبلشر وسن ندارد۔
۵۱۔ ____ایضاً____،غدر دہلی کے افسانے،گرفتگار شدہ کے خطوط،پانچواں حصہ،دہلی: دلی پرنٹنگ پریس، ۱۹۲۳ء۔
۵۲۔ ____ایضاً____، غدر دہلی کے افسا نے،انگریزوں کی بپتا،حصہ دوم،دہلی: کارکن حلقہ مشائخ، ۱۹۲۲ء۔
۵۳۔ ____ایضاً____،غدر دہلی کے افسانے،غدر دہلی کے اخبار،حصہ ششم،دہلی: دلی پرنٹنگ ورکس، ۱۹۲۳ء۔
۵۴۔ ____ایضاً____، غدر دہلی کے افسانے،بہادر شاہ کا مقدمہ،حصہ چہارم،دہلی: دلی پرنٹنگ ورکس، ۱۹۲۳ء۔
۵۵۔ ____ایضاً____،دو سفر نامے،دہلی: کارکن حلقہ مشائخ، ۱۹۳۳ء۔
۵۶۔ بہادر،عیسوی خان،مسعود خان (مرتبہ)،سہ مہر افروز دلبر،حیدرآباد دکن: ترقی اُردو بیورو، ۱۹۸۸ء۔
۵۷۔ تمنا، رام سہائے،احسن التواریخ،حصہ دوم،لکھنؤ: تمنائی پریس، ۱۸۷۶ء۔
۵۸۔ علی،کرم،مترجم: سید یوسف رضوی،حکیم، مظفر نامہ ،پٹنہ: خدا بخش اورینٹیل پبلک لائبریری، ۱۹۹۸ء۔
۵۹۔ ابوطالب اصفہانی،مرزا،مترجم: ثروت علی،ڈاکٹر،تاریخ آصفی،نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ۲۰۰۱ء۔
۶۰۔ ____ایضاً____،سفر نامہ فرنگ،لاہور: فکشن ہاوس، ۱۹۹۹ء۔
۶۱۔ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن کے زیر اہتمام برطانوی ہندوستان کے گورنرز کی سوانح شائع کی گئی سماجی ومعاشرتی زوال کے لیے یہ دستاویزات عصر حیثیت رکھتی ہیں۔جس کی فہرست ذیل میں دی گئی ہے۔
۶۲۔ داراشکوہ،مترجم: محمدی علی لطفی،سفینۃ الاولیاء،کراچی: نفیس اکیڈمی، ۱۹۶۱ء۔
۶۳۔ ____ایضاً____،مترجم: مقبول بیگ بدخشانی،سکینۃ اولیاء،لاہور: پیکجز لمیٹڈ، ۱۹۷۱ء۔
۶۴۔ شاہ عالم ثانی،مرتبہ: مدحت افزا بخاری،عجائب القصص،لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۵ء۔
۶۵۔ عزیز الدین،منشی،جوہر عقل،لاہور: مطبع مطلع نور، ۱۸۶۹ء۔
۶۶۔ قادری،شمس اللہ حکیم،امرائے آصفیہ سید لشکر خان (دکن الدولہ نصیر جنگ)،حیدرآباد دکن: مطبع برنی اعظم جاہی، ۱۹۳۹ء۔
۶۷۔ راؤ،راجہ نائک،راجہ وٹھل،سندر پرتاب ونت راجہ بہادر،حیدرآباد دکن: مطبع ظہیر، ۱۸۰۳ء۔
۶۸۔ کرمانی،میر حسین علی،مترجم: شفیع احمد شریف،تذکرۃ البلاد والحکام،نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اردو بان، ۲۰۰۱ء۔
۶۹۔ خان،رحمٰن علی،ریاض الامرا،لکھنؤ: نول کشور، ۱۸۶۹ء۔
۷۰۔ خان،محمد عبد الجبار،محبوب ذوالمننن اولیائے تذکرہ دکن،جلد سوم،حصہ دوم،حیدرآباد دکن: محبوب پریس،سن ندارد۔
۷۱۔ سرور،رجب علی بیگ،مرزا،فسانہ عجائب،لکھنؤ: مطبع میر حسن، ۱۲۶۲ھ۔
۷۲۔ بخش،محمد اللہ،قصہ خواجہ الیاس،دہلی: مطبع رضوی، ۱۸۹۷ء۔
۷۳۔ مصنف ندارد،سفر نامہ (مطبوعہ)،تفصیلات ندارد۔
۷۴۔ کمبل پوش،یوسف خان ،تاریخِ یوسفی،لکھنؤ: منشی نول کشور، ۱۸۷۳ء۔

۷۵۔ عارف، نجیبہ، سیر ملک اودھ، یوسف خان کمبل پوش کا نادر و غیر مطبوعہ سفر نامہ ۱۸۴۷ء، لاہور: پاکستان رائیٹرز کوآپریٹوسوسائٹی، ۲۰۱۷ء۔

۷۶۔ موتی مدعی بنو لا مدعا علیہ، لکھنؤ، نول کشور، ۱۸۹۵ء۔

۷۷۔ تاج الدین، مفتی، مترجم: عبداللہ، اخلاق ہندی، کلکتہ: مطبع مولوی محمد محسن، ۱۸۴۷ء۔

۷۸۔ خان، میر باقر علی، دہلوی، خلیل خان فاختہ، کراچی: انجمن پریس، ۱۹۶۰ء۔

۷۹۔ ____ ایضاً ____، گاڑھے خان نے ململ جان کو طلاق دے دی، دہلی: چھتر سال، ۱۹۲۲ء۔

۸۰۔ راؤ، شنکر (مترجم)، سوانح حیات میر تراب علی سر سالار جنگ، حیدر آباد دکن: تاج پریس، سن ندارد۔

۸۱۔ جعفر، محمد، تھانیسری، منشی، تواریخ عجیب، حیدر آباد دکن: جامعہ عثمانیہ، ۱۳۰۹ھ۔

۸۲۔ وحشی، محمد عمر خان، انوار سہیلی، میرٹھ: گلزار محمدی پریس، ۱۸۹۳ء۔

۸۳۔ عبدالرحمٰن، بحر دانش، کانپور: مطبع نظام، ۱۸۶۴ء۔